خانہ جنگی

پروفیسر محمد مجیب صاحب بی۔ اے (آکسن)

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

بار دوم

بار اول ۱۰۰۰ — اکتوبر ۴۶ء
بار دوم ۱۰۰۰ — جون ۱۹۵۱ء

چکرورتی پریس دہلی

خانہ جنگی

ڈراما

اشخاص:

شاہ جہاں

داراشکوہ

اورنگ زیب

خلیل اللہ خاں

خان جہاں، ابوطالب، شائستہ خاں، امیرالامراء

اعتماد خاں عبدالقوی

شیخ سرمد

ملا ابوالقاسم

ابراہیم بدخشاں
لطف اللہ
حفظ الرحمٰن
} ملا ابوالقاسم کے شاگرد

سعیدالدین
۴ نوجوان } ملا ابوالقاسم کے شاگرد

نوجوان مولوی، اعتماد خاں کے ہمراہ

عبدالرحمٰن، حفظ الرحمٰن کا باپ

۸ علماء، مختلف عمروں کے

دو غلام، قریب ۳۰ برس کی عمر کے

۶ سپاہی

لڑکا، قریب دس سال کا

۲ لڑکے، ۱۴، ۱۵ سال کے

علی قوال

علی قوال کا لڑکا

ایک اجنبی

شہری، فقیر وغیرہ

زمانہ و مقام

پہلا ایکٹ : مثمن برج، آگرہ کا قلعہ

دوسرا ایکٹ : جامع مسجد کے زینے اور سامنے کا میدان

تیسرا ایکٹ : ملا ابوالقاسم کا مدرسہ

چوتھا ایکٹ : عدالت

پانچواں ایکٹ : ملا ابوالقاسم کا مدرسہ

زمانہ : مئی ۱۶۵۸ - آخر ۱۶۵۹

خانہ جنگی

پہلا ایکٹ

آگرہ کا قلعہ۔ شاہ جہاں شمن برج میں بہت سے تکیوں کی ٹیک لگائے پلنگ پر لیٹا ہے بیچ کے در سے تاج محل دکھائی دیتا ہے۔ اور شاہ جہاں اُسی کو دیکھ رہا ہے۔ اُس کے چہرے پر افسردگی بہت نمایاں ہے۔ پلنگ کے پیچھے ایک غلام پنکھا جھل رہا ہے۔ شاہ جہاں کے سامنے، اسٹیج کے دائیں طرف، خلیل اللہ خاں کھڑا ہے۔

شاہ جہاں: تمہاری فوج روانہ ہو گئی؟

خلیل اللہ خاں : خداوندِ عالم کے اقبال سے فوج پوری تیاری کے بعد آج صبح روانہ ہو گئی۔

شاہ جہاں : (خلیل اللہ خاں کو غور سے دیکھ کر حسرت کے ساتھ) ہمارے اقبال سے ! .... تمھیں اور کچھ نہیں کہنا ہے؟ کیا تم میں سے ایک ایسا نہیں ہے کہ سلطنت کو خانہ جنگی سے بچانے کی کوئی تدبیر کرے؟ ..... تم کو ہماری خدمت میں کتنے سال گذرے ہیں؟

خلیل اللہ خاں : (زمین بوسی کر کے) خداوندِ عالم کو جہاں بانی، خداوندِ عالم کے ناچیز بندوں کو نمک خواری، ازل سے مقدّر تھی۔

شاہ جہاں : (بے چین ہو کر) یہ مطلب کی باتیں ہیں .... میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ تم نے خدمت کر کے کتنا اعتبار حاصل کیا ہے؟ میں اگر تم سے کہوں ....

خلیل اللہ خاں : (زمیں بوسی کر کے) غلام کا کام خدمت کا حق ادا کرنا ہے، اس پر اعتبار کرنا نہ کرنا آقا کے اختیار میں ہے۔ خلیل اللہ خاں نے کوتاہی کی تو راجہ چھتر سال کو سرفرازی نصیب ہو گی۔

شاہ جہاں: (خلیل اللہ خاں کی طرف غور سے دیکھ کر) ہاں، مجھے یاد ہے۔ دارا نے تمہاری بہت دل شکنی کی۔ اُسے یہ نہ کہنا چاہیئے تھا کہ ترکوں نے اس کا ساتھ نہ دیا تو وہ راجپوتوں کے بل پر لڑے گا۔ مگر تم جانتے ہو کہ دارا دل جوئی بھی کر سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اِس سے تمہاری وفاداری اور مستعدی میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ (خلیل اللہ زمین بوسی کرتا ہے) مگر میں تم سے کچھ اور کہہ رہا تھا۔ کیا اب بھی ممکن ہے کہ سلطنت کے وفادار اور معتبر امرا......

(دارا، کچھ خوش، کچھ پریشان، تیزی کے ساتھ داخل ہوتا ہے، دروازے پر سلام کے لئے جھکتا ہے، پھر قدم بوسی کرکے پلنگ کے پاس بیٹھ جاتا ہے اور شاہ جہاں کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبا لیتا ہے)

دارا: کیا فرما رہے تھے خداوند عالم؟

خلیل اللہ خاں: خداوند عالم غلام سے دریافت فرما رہے تھے......

دارا: چپ رہو، خلیل اللہ خاں۔ تم کو چاہیئے تھا کہ فوج کے

ساتھ جاتے۔ یہاں کیوں فضول باتیں بنا رہے ہو۔
(شاہجہاں خلیل اللہ خاں کی طرف دیکھتا ہے، مسکراتا ہے، اور آنکھ سے چلے جانے کا اشارہ کرتا ہے۔ خلیل اللہ خاں زمیں بوسی کرکے خاموشی سے چلا جاتا ہے)

شاہ جہاں: میں خلیل اللہ خاں سے پوچھ رہا تھا کہ سلطنت کو خانہ جنگی سے بچانے کی کوئی تدبیر ہو سکتی ہے یا نہیں۔

دارا۔ (تیور بدل کر کھڑا ہو جاتا ہے اور ٹہلنے لگتا ہے) خداوند عالم، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اس نمازی کی بغاوت کو خانہ جنگی کیوں کہتے رہتے ہیں۔ خدائے جلّ شانۂ آپ کو سلامت رکھے، ہم تو آپ کی دولت اور اقتدار کے لئے لڑ رہے ہیں، اور ہمارا جو مخالف ہو وہ کافر نعمت ہے، باغی ہے۔ آپ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ آپ باغیوں سے ہمدردی کریں۔ اب مجھے اِس کا موقع دیجئے کہ اس نمازی کے فتنے کو رفع کروں۔

شاہ جہاں: تم صرف اورنگ زیب کے عیبوں کو دیکھتے ہو، مجھے معلوم ہے کہ وہ دنیا کے کاموں میں بہت ہوشیار ہے۔ تم کسی کو یقین دلا سکتے ہو کہ وہ باغی ہے؟

دارا: تو پھر اسے بلائیے اور کہئے کہ تخت پر مصلّے بچھائے اور مصلحت کی نمازیں پڑھے۔ مجھے بھی اس کے حوالے کردیجئے۔

شاہ جہاں: میں یہ ہرگز نہیں چاہتا۔ میں نے تو تم کو اپنے پاس تخت پر بٹھایا ہے۔ اپنا وارث بنایا ہے۔ مگر تم میری کوئی بات نہیں مانتے۔ اورنگ زیب نے مصلحت سے مشہور کیا ہے کہ میں گرفتار کرلیا گیا ہوں، تم نے حقیقت میں مجھے بے بس اور مجبور کردیا ہے۔ میں انصاف کرنا چاہتا ہوں، تم لڑنے پر تلے ہو۔ میں پھر کہتا ہوں، مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ اورنگ زیب کے امرا کو معلوم ہوا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں تو وہ سب قدم بوسی کے لئے حاضر ہوجائیں گے، ان میں کوئی ایسا نہیں ہے کہ اورنگ زیب کے ورغلانے سے میرے خلاف ہوجائے۔

دارا: خداوند عالم، اس کا یہ مطلب ہوا کہ مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ اپنا حق حاصل کرسکوں۔ مجھے وہی ملے گا جو آپ اس نمازی کی خوشامد کرکے مجھے دلوائیں۔ اسی وجہ سے تو میں اصرار کر رہا ہوں کہ مجھے اورنگ زیب

سے طاقت آزمائی کرنے دیجئے۔ اگر میں جیت گیا تو مجھے اور آپ کو بھی یقین ہو جائے گا کہ میں سلطنت کا حق دار ہوں۔ اگر میں ہار گیا تو آپ دیکھ لیں گے کہ وہ سانپ جس کی پرورش آپ نے کی ہے مجھے اور آپ کو کس طرح ڈستا ہے۔ تب آپ افسوس کریں گے کہ آپ نے ایک زہریلے کیڑے کو جس کا سر کچل دینا چاہئے تھا نرمی اور مروّت کا سزاوار سمجھا۔

شاہ جہاں: (سر پکڑ لیتا ہے) بھائی کو بھائی سے ایسی نفرت!....

دارا: خداوندِ عالم، آپ میرے غصّے کو بُرا سمجھتے ہیں، یہ نہیں دیکھتے کہ اورنگ زیب بچپن سے میرا دشمن ہے، برابر میرے خلاف سازشیں کرتا رہا ہے، اور آپ کی علالت کا بہانہ کر کے مجھے برباد کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ انصاف کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے دکن اورنگ زیب کو، بنگال شجاع کو، گجرات مراد کو دیا تھا۔ انصاف تو یہ تھا کہ وہ اپنے اپنے صوبوں میں رہتے، اور مجھے آپ کی خدمت کرنے کا موقع دیتے۔ اب آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ اِن تینوں نے میرے حصے کے ملک پر لشکر کشی کی

ہے۔ مجھ سے میرا حق چھینا چاہتے ہیں۔ میں آپ کے
انصاف پر بھروسا کر کے بیٹھ رہوں تو سب
سمجھیں گے کہ مجھ میں مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں صرف
آپ کے زیر سایہ حکومت کر سکتا ہوں۔ اگر آپ کو یقین
ہے کہ آپ نے سلطنت کی جو تقسیم کی تھی وہ برحق ہے،
تو پھر اب میرا ساتھ دیجئے، دنیا پر ثابت کیجئے کہ مجھے آپ کی
پوری تائید حاصل ہے، اور آپ یہ نہیں چاہتے کہ میری
حق تلفی اور بے آبروئی ہو۔

شاہ جہاں: دارا، تم جانتے ہو کہ میں ہر طرح تمھاری مدد کر رہا
ہوں۔ مگر میں نے جو کچھ کیا ہے اسے میں کافی نہیں سمجھتا۔
میں چاہتا ہوں کہ اس میدان میں جہاں تم تلوار سے فیصلہ
کرنا چاہتے ہو میں جا کر مروّت اور وفاداری سے فیصلہ
کراؤں۔ میرے نمک خوار میرے خلاف کبھی ہاتھ نہ اٹھائیں
گے، اور میں کہوں گا تو وہ سب میری وصیت پر عمل
کرنے کا عہد کر لیں گے، خانہ جنگی کو کبھی گوارا نہ کریں گے۔

دارا: خداوندِ عالم، مجھے یقین ہے کہ اورنگ زیب کی ریاکاری
آپ کی مروّت اور امرا کی وفاداری پر غالب آجائے گی

اِس نمازی کے فتنوں کا علاج صرف تلوار کر سکتی ہے۔ اگر آپ کو ذرا بھی خواہش ہے کہ میں آبرو کے ساتھ حکومت کروں تو مجھے تلوار سے اپنا حق حاصل کرنے دیجئے۔ آپ اورنگ زیب کو پوری سلطنت کا حق دار مانتے ہوں تو مجھے حکم دیجئے میں ابھی جا کر اپنا سر اس کے قدموں پر رکھ دوں۔ حقدار کو اس کا حق مل جائے گا اور آپ کے وفا داروں کا خون نہ بہے گا۔

شاہ جہاں: (بڑی مایوسی کے لہجے میں) اچھا دارا، جاؤ لڑو، خدا انھیں کامیاب کرے۔

دارا: خداوندِ عالم، آپ مایوس ہیں، میرے دل میں اُمّیدیں موجیں مار رہی ہیں۔ آپ کے اقبال سے میں نے ایسی فوج جمع کی ہے جسے دیکھ کر اورنگ زیب کانپ اٹھے گا۔ آپ نے تمام عمر اس کی حوصلہ افزائی نہ کی ہوتی تو اِس وقت وہ دارِ سلطنت پر چڑھائی کرنے کی جرأت نہ کرتا، اُس نے ایسی گستاخی کی ہے تو میں اُسے اِس کا مزا چکھاؤں گا۔ میں نے بھی سپہ گری کی تعلیم حاصل کی ہے، آپ کی عنایت سے سپہ سالاری کے مشکل سے مشکل فرائض خوبی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔

شاہ جہاں: دارا، اورنگ زیب بڑا ہوشیار، بڑا مستعد ہے۔ تم نے جو زمانہ اہلِ علم اور اہلِ فن کی صحبت میں گذارا ہے اس میں وہ سپاہیوں کے ساتھ رہا۔ اہلِ علم تمھاری قدر کرتے ہیں، سپاہی اُس پر جان دیتے ہیں۔ اسے حقیر سمجھو گے تو پچھتاؤ گے۔ اب بھی میری بات مان لو، مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔

دارا: خداوندِ عالم، آپ جس قدر اپنا مطلب واضح کرتے ہیں میرا ارادہ پختہ ہوتا جاتا ہے۔ میں اورنگ زیب سے لڑونگا، یہ دکھانیکے لئے لڑوں گا کہ میں حق پر ہوں، یہ دکھانے کے لئے لڑوں گا کہ حق باطل پر غالب آتا ہے، یہ دکھانے کے لئے لڑوں گا کہ جنگ کے فن میں بھی میں اورنگ زیب کا بڑا بھائی ہوں۔

شاہ جہاں: مجھے ڈر ہے......

دارا: آپ کو کِس بات کا ڈر ہے، خداوندِ عالم؟ میری نااہلی کا؟ تو پھر خدا کے لئے مجھے موقع دیجئے کہ آپ کے اِس ڈر کو دُور کروں۔

شاہ جہاں: (سوچ کر) مجھے ساتھ لئے چلو۔

دارا: نہیں خداوندِ عالم، ایسا نہیں ہو سکتا۔ اِس میں میری بڑی بے آبروئی ہو گی۔ میں ایک مرتبہ اورنگ زیب کو میدان

جنگ میں شکست دیدوں۔ پھر آپ جو حکم دیں سر آنکھوں پر۔ اِس وقت میں کسی سمجھوتے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ اورنگ زیب نے مشہور کر دیا ہے کہ میں بے دین ہوں، ہندو پرست ہوں، مسلمانوں پر حکومت کرنے کے لائق نہیں ہوں۔ اب آپ کے بیچ میں پڑنے سے کوئی سمجھوتا ہو گیا تو مجھ پر جو الزام لگے ہیں وہ صحیح ثابت ہو جائیں گے، آپ کا نمازی لڑکا تب کہے گا کہ مسلمان اس کے ساتھ ہیں، مجھے صرف آپ کی محبت اور ہندوؤں کی مدد حاصل ہے۔ اِس کے بعد میں کس منہ سے تخت پر بیٹھوں گا اور حکومت کروں گا؟

شاہ جہاں: دارا، تم بڑے ناسمجھ ہو، نہ میری سنتے ہو نہ اپنے امرا کے مشورے پر چلتے ہو۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ خانہ جنگی سے سب ڈرتے ہیں، اس لئے کہ اِس میں سب کا نقصان ہوتا ہے۔ اگر تم نے امرا اور عوام کو یقین دلا دیا کہ تم انھیں اِس مصیبت سے بچانا چاہتے ہو تو سب تمھارا ساتھ دیں گے، اور خانہ جنگی کا فتنہ برپا کرنے کا سارا اِلزام اورنگ زیب پر لگے گا، اس سے سب بدظن

ہو جائیں گے، اُس کے ساتھی لوٹ کر تمہاری طرف آجائیں گے، تمہیں دلوں پر وہ تسلط نصیب ہو گا جو تلوار سے حاصل نہیں ہوتا۔ مگر تم صرف اپنی ضد پوری کرنا چاہتے ہو۔

دارا: خداوندِ عالم، میں دیکھتا ہوں کہ میں جتنی دیر یہاں ٹھہروں گا، آپ کی نظروں میں گرتا جاؤں گا۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔

شاہ جہاں: سلیمان شکوہ کا بھی انتظار نہ کروگے؟

دارا: خداوندِ عالم، آپ خود ہی سوچئے، جب اورنگ زیب چمبل کے قریب تک آگیا ہے تو میں کیسے ٹھہر سکتا ہوں؟ .... آپ تو صرف مصلحت کی باتیں سوچتے ہیں۔ آپ کے لئے یہ کہہ دینا آسان ہے کہ ابھی ٹھہرو، ابھی اور ٹھہرو۔ میرے دل میں جو آگ جل رہی ہے اس کا آپ کو علم نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ دنیا کو مکر، فریب، ریاکاری سے پاک کردوں، ابھی پاک کردوں، فتنہ برپا کرنے والے کو ایسا رسوا کردوں کہ دنیا اس پر لعنت بھیجے۔ میری طبیعت ایسی بے چین ہے کہ اپنے فائدے

کی خاطر بھی نہیں ٹھہر سکتا۔

(غلام داخل ہوتا ہے اور تسلیم کر کے کہتا ہے)

امیر الامرا خان جہاں شائستہ خاں حاضر ہوئے ہیں (شائستہ خاں خاموشی سے داخل ہوتا ہے)

شاہ جہاں: کہو شائستہ خاں۔

شائستہ خاں: اعلیٰ حضرت کی مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

شاہ جہاں: کبھی سلطنت کی مزاج پرسی بھی کرتے ہو؟

شائستہ خاں: اعلیٰ حضرت کی بصیرت اور مصلحت اندیشی آفتاب کی طرح روشن ہے۔ اس روشنی کے ہوتے ہوئے میں اپنا دیا الگ کیوں جلاؤں۔

شاہ جہاں: باتیں نہ بناؤ۔ میری حالت دیکھ رہے ہو، خانہ جنگی جس حد تک پہنچی ہے تمھیں معلوم ہے۔ تم دارا اور اورنگ زیب دونوں کے بزرگ ہو۔ اب بتاؤ کیا کرنا چاہیئے۔

شائستہ خاں: اگر ناگوارِ خاطر نہ ہو تو عرض کر دوں؟

شاہ جہاں: ہاں، کہو۔

شائستہ خاں: اِس وقت جو صورتِ حال ہے اس میں اعلیٰ حضرت کے نمک خواروں کی بڑی سخت آزمائش ہو گی۔ اگر ان سے الگ الگ رائے لی گئی۔ در اصل ان کا حق ہے کہ اِس نازک موقع پر اعلیٰ حضرت ان کی رہنمائی کریں۔

دارا: (طنز سے) میرے ماموں امیر الامرا خان جہاں شائستہ خاں کا منشا یہ ہے کہ دربار میں جو امرا موجود ہیں انھیں ایک جگہ جمع ہو کر یہ کہنے کا موقع دیا جائے کہ وہ اورنگ زیب سے لڑنا نہیں چاہتے۔ خداوندِ عالم انھیں ضرور اِس کا موقع دیں اور ایک دفعہ نہیں دس دفعہ۔ مجھے معلوم ہے کہ کون میرا ساتھ دینے پر تیار رہے اور کون مشورے کے بہانے سے غداری کرنا چاہتا ہے۔

شاہ جہاں: دارا اس طرح اپنا کام نہ بگاڑو۔ خیر خواہوں اور خادموں کے بغیر کوئی سلطنت قائم نہیں رہ سکتی۔

دارا: (غصہ میں) مجھے خیر خواہوں اور خادموں کی ضرورت نہیں۔ مجھے خدا نے جو توفیق دی ہے وہ کافی ہے۔

شاہ جہاں: دارا، مجھے حیرت ہوتی ہے کہ تم میں اتنا تکبر

کہاں سے آگیا۔ تمہارے مداح تم کو صوفی بلکہ ولی کہتے ہیں تم کو تو نہ چاہیئے کہ اپنے خیر خواہوں کی بلا وجہ دل آزاری کرو۔

دارا: خداوندِ عالم، میں آپ سے بار بار عرض کر چکا ہوں کہ میں منافقت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اورنگ زیب کی ریاکاری اور آپ کے امرا کی منافقت نے مجھے ایسے صدمے پہنچائے ہیں کہ مجھے اپنی طبیعت اور زبان پر قابو نہیں رہا ہے۔

شاہ جہاں: مگر تمہارا رویہ ایسا تو نہ ہونا چاہیئے کہ لوگ اس کے مقابلے میں ریاکاری کو غنیمت سمجھیں۔

دارا: مجھے کسی کی پروا نہیں۔

شاہ جہاں: پھر حکومت کس پر کروگے؟

شائستہ خاں: اعلیٰ حضرت کسی بات کو اپنی طبیعت پر بار نہ ہونے دیں ....

دارا: جی ہاں، آپ کا کیا جاتا ہے۔

شائستہ خاں: اعلیٰ حضرت کے نمک خوار اشارہ ملنے پر سو جان سے نثار ہونے کو تیار ہیں۔

دارا: خداوند عالم، میں نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ آپ کے

نازپروردہ امرا میں میری کوئی حیثیت نہیں۔ جب تک
انھیں میری قوت اور جذبۂ انتقام کا اندازہ نہ ہوگا یہ
میری حکومت کو کیسے گوارا کریں گے۔ اب آپ سے میری
آخری التجا ہے کہ مجھے مر مٹنے دیجیے!

(دارا غصہ میں سلام کیے بغیر چلا جاتا ہے۔ شاہ جہاں
اور شائستہ خاں کچھ دیر خاموش رہتے ہیں۔ شاہ جہاں
تاج محل کی طرف حسرت سے دیکھتا رہتا ہے)

شاہ جہاں: بیٹھ جاؤ، ابو طالب، کھڑے کیوں ہو۔

(شائستہ خاں۔ کورنش بجا لاتا ہے اور بیٹھ جاتا ہے۔ کچھ دیر
دونوں خاموش رہتے ہیں)

شاہ جہاں: کیوں ابو طالب، دارا کی کیا عمر ہو گی؟

شائستہ خاں: بیالیس سال کچھ مہینے ہو گی۔

شاہ جہاں: بچپن میں بھی یہ اسی طرح مچلتا تھا اور پھر آکر
ایسی محبت سے لپٹ جاتا کہ اس کی کوئی شرارت، کوئی
ضد یاد نہ رہتی۔ ارجمند کو اس نے ہمیشہ حیران کیا، مجھے
کبھی خاطر میں نہ لایا۔ ہم تینوں ساتھ ہوتے تو بادشاہ یہی
بنتا تھا۔ اورنگ زیب کی آنکھیں سب کچھ دیکھتی تھیں،

دارا سے ہم جتنی محبت کرتے، اورنگ زیب کا دل سخت ہوتا جاتا۔ اس نے ہمیشہ خود شکایت کی، ہم کو شکایت کا موقع نہ دیا۔ ہم کیا کرتے، محبت نے مجبور کر دیا تھا جہاں آرا اورنگ زیب کے سیان پن سے جلتی تھی، اور بچپن کی یہ کیفیت اب تک نہیں گئی ہے....... بڑی خوش قسمت تھی ارجمند کہ اپنے پھولوں کو کھلتے ہی دیکھا......

خاموشی۔ شاہ جہاں تاج کی طرف دیکھتا رہتا ہے

شاہ جہاں: یہ تاج محل کیا ہے، محبت یا عصمت؟

شائستہ خاں: اعلیٰ حضرت، محبت اور عصمت دونوں ایک نور کی شعاعیں ہیں۔ یہ نور آپ کے دل میں تھا، اور آپ نے اسے اپنی ارجمند کے صدقے دنیا کو بخش دیا ہے۔ انصاف بھی اسی میں تھا کہ ایسی لازوال دولت آپ اپنے پاس نہ رکھیں، بلکہ خاص و عام میں لٹا دیں۔

شاہ جہاں: (سوچ کر) انصاف کا نام نہ لو، ابوطالب۔

شائستہ خاں: کیوں اعلیٰ حضرت؟ آپ کی ایک عظیم الشان یادگار آپ کا انصاف ہے۔ اسی پر تو آپ نے اپنی سلطنت کی اور اپنے تاج محل کی بنیاد رکھی ہے۔

شاہ جہاں: نہیں، ابو طالب۔ اب تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ انصاف محبت کی عاجزی کا نام ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ محبت غالب رہے .... اگر کبھی اس کا موقع ہو تو تم یہ کہنا کہ میری آخری وصیت تھی کہ میرے چاہنے والے انصاف نہ کریں، محبت کریں۔ انصاف صرف خدا کر سکتا ہے، انسان کے لئے محبت سے بالاتر کوئی مقام نہیں......

خاموشی

شاہ جہاں: ہاں، میں تم سے پوچھنا بھول گیا، شاہ جہاں آباد میں لوگوں کا کیا خیال ہے۔

شائستہ خاں: کیا بتاؤں، اعلیٰ حضرت، ایک بے چینی اور خوف ہے کہ جو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ کسی کو کسی پر اعتبار نہیں رہا، سب سہمے ہوئے ہیں۔ شہر میں مشہور ہو گیا ہے کہ اورنگ زیب کے جاسوس ہر جگہ موجود ہیں اور ایک ایک بات کی خبر اپنے آقا کو پہنچا دیتے ہیں۔ جو لوگ نڈر ہیں ان میں دو فریق ہیں، ایک کہتا ہے کہ شریعت ہماری زندگی کی اساس ہے، اور جو شریعت کا پابند نہ ہو وہ ملتِ اسلامی کا دشمن ہے۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ ریاکاری

سے زیادہ مہلک کوئی عیب نہیں، اور جب تک ملّت اِس عیب سے پاک نہ کی جائے، شریعت کا نام لینا محض حماقت ہے۔ جو لوگ فتنے فساد کو بُرا سمجھتے ہیں وہ شیخ سرمد کی رباعی پڑھتے ہیں اور کفِ افسوس ملتے ہیں۔

شاہجہاں: شیخ سرمد؟ ہاں، کیا فرماتے ہیں؟

شائشتہ خاں: اعلیٰ حضرت، بہت خوب کہا ہے۔

یاراں چہ قدر راہ دو رنگی دارند مصحف بہ بغل، دینِ فرنگی دارند

پیوستہ بہم چو مہرہ ہائے شطرنج در دل ہمہ فکر خانہ جنگی دارند

(شاہجہاں ایک ایک مصرع شائشتہ خاں کے ساتھ دُہراتا ہے)

شائشتہ خاں: غور کیجئے، اعلیٰ حضرت، اِس میں کیا غم ہے اور کیا غصّہ۔ پھر تقدیر کی شکایت بھی کس عنوان سے کی ہے فقیر کے دل پر چوٹ لگتی ہے تو حقائق کے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں۔

شاہجہاں: میں یہ سوچ رہا ہوں کہ شطرنج کے یہ مُہرے میرے دل کے ٹکڑے ہیں......... در دل ہمہ فکر خانہ جنگی دارند.......

خاموشی۔ (شاہجہاں آنکھیں بند کئے رہتا ہے۔

(اُس کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُسے سخت تکلیف ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کا سر ایک طرف کو گر جاتا ہے)

(پردہ)

دوسرا ایکٹ

(جامع مسجد، شاہ جہاں آباد، طلوع کا وقت ہے۔ شیخ سرمد جامع مسجد کی سیڑھیوں کے نیچے زمین پر ایک عجیب انداز سے پڑے سو رہے ہیں۔ ایک ایک کر کے کوئی دس پندرہ فقیر اُن کے پاس جمع ہو جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد چار سپاہی آتے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک آدمی ہے جو خوان سر پر رکھے ہے، اور چھوٹی سی میز ہاتھ میں لئے ہے۔ آدمی خوان کو میز پر شیخ سرمد کے پاس رکھ دیتا ہے، سپاہی فقیروں کو ہٹا کر انھیں ایک طرف کھڑا

کر دیتے ہیں۔ تین سپاہی فقیروں کو دور رکھنے
کے لئے ان کے سامنے قطار باندھ لیتے ہیں،
چوتھا سپاہی شیخ سرمد کے قدموں پر ہاتھ
رکھتا ہے)

سپاہی: حضور غلاموں کا سلام قبول ہو۔ ناشتہ حاضر ہے۔
(شیخ سرمد اٹھتے ہیں، منہ پر ہاتھ ملتے ہیں، سپاہی خوان
پر سے خوان پوش ہٹاتا ہے۔ شیخ سرمد خوان پر جو چیزیں
رکھی ہیں انھیں کسی قدر تعجب سے دیکھتے ہیں، خوان
کو چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور سپاہی کا ہاتھ پکڑ کر
اسے ایک طرف کو لے جاتے ہیں۔ باقی سپاہی خوان
میں جو خشک میوے ہیں انھیں فقیروں میں لٹا دیتے ہیں)

شیخ سرمد: اس خشک میوے کے کیا معنی؟

سپاہی: حضور، آپ کو تو سب معلوم ہے۔

شیخ سرمد: (کسی فکر میں محو ہو جاتے ہیں۔ پھر سپاہی کا ہاتھ چھوڑ
کر) جا مجھے معلوم ہو گیا۔ دارا نے شکست کھائی ہے،
آگرہ سے بھاگا ہے۔ کیوں، کہاں ہے دارا؟ شاہجہان
آباد میں؟

سپاہی: حضور، خود بدولت کل شام کو بڑی پریشانی کی حالت میں شاہ جہاں آباد تشریف لائے۔ قلعے میں داخل نہیں ہو سکے۔

شیخ سرمد: (اپنے آپ سے) مگر فقیر کو ناشتہ بھیجنا نہیں بھولے .... خشک میوہ کھلا دیا ہے۔ اب دسترخوان اُٹھ جائے گا، نہ میزبان رہے گا ...... نہ مہمان

(سپاہی چلے جاتے ہیں۔ فقیر رفتہ رفتہ غائب ہو جاتے ہیں)

(شیخ سرمد پریشان ہو کر ٹہلنے لگتے ہیں، پھر ایک طرف اُکڑوں بیٹھ جاتے ہیں اور سر گھٹنوں پر رکھ دیتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک دس برس کا لڑکا اس طرف سے داخل ہوتا ہے جدھر شیخ سرمد بیٹھے ہیں، اِدھر اُدھر نظر سے ان کو تلاش کرتا ہے، انھیں دیکھ لیتا ہے تو ان کے پاس آکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے پاس کپڑے میں لپٹی ہوئی دو روٹیاں ہیں۔ انھیں وہ نکال کر شیخ سرمد کے سامنے پیش کرتا ہے)

لڑکا: لیجیے، شاہ صاحب، ناشتہ کر لیجیے۔
(شیخ سرمد سر اٹھا کر لڑکے کی طرف پیار سے دیکھتے ہیں، اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں اور روٹیاں لے کر ایک نوالہ توڑتے ہیں۔ مگر نوالہ منہ کے پاس لے جا کر رُک جاتے ہیں، اور روٹی کو غور سے دیکھتے ہیں۔)
لڑکا: کیا ہوا شاہ صاحب، کیا روٹی میں کچھ ہے؟
شیخ سرمد: نہیں بیٹا، روٹی میں کچھ نہیں، تیرے دل میں کچھ ہے......... یا تیری ماں کے دل میں کچھ ہے۔
لڑکا: اماں کل شام سے رو رہی ہیں۔ ابا کی کچھ خبر نہیں آئی۔ وہ شہزادہ دارا شکوہ کی فوج میں تھے۔ اماں نے کہا تھا کہ شاہ صاحب روٹی کھا لیں تو اُن سے کہنا کہ دعا کیجیے ابا خیریت سے گھر پہنچ جائیں۔
(شیخ سرمد کانپ سے اٹھتے ہیں اور آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ پھر لڑکے کو زور سے لپٹا لیتے ہیں)
شیخ سرمد: بیٹا، جا اپنی ماں سے کہہ دے کہ سرمد نے شرم کے مارے روٹی نہیں کھائی۔

لڑکا: نہیں شاہ صاحب، اماں نے کہا ہے کہ شاہ صاحب
کو روٹی ضرور کھلا دینا۔
(شیخ سرمد حیران ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور
ٹہلنے لگتے ہیں)
لڑکا: پھر لیجئے شاہ صاحب، روٹی کھا لیجئے۔
شیخ سرمد: اچھا بیٹا، مجھے روٹیاں دیدے۔ میں کھا لوں گا۔
تو جا اپنی ماں کے پاس جلدی سے جا۔
(شیخ سرمد لڑکے کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر اُسے باہر
نکال دیتے ہیں، پھر انتہائی پریشانی اور پیچ وتاب
میں کبھی چلتے ہیں، کبھی کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر پانو
پٹک کر چلنے لگتے ہیں)
شیخ سرمد: (آسمان کی طرف دیکھ کر) شرم کر۔ شرم کر......
کیا کہوں، اس عورت کو تو نے پیدا کیا ہے؟......
تو نے؟

(ابراہیم بدخشانی، ایک نوجوان، داخل ہوتا ہے
اور ادب سے دست بستہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ کچھ دیر
کے بعد شیخ سرمد کی نظر اس پر پڑتی ہے، اور وہ

(اُسے گھور کر دیکھنے لگتے ہیں)

شیخ سرمد: جاؤ، یہاں سے، میں کچھ نہیں جانتا!

ابراہیم: اندھے کی دنیا کتنی بڑی ہو سکتی ہے۔ بہت دور جاتا ہے تب بھی جہاں تھا وہیں رہ جاتا ہے۔

شیخ سرمد: تمھاری دنیا تنگ ہے، اس لئے تم چاہتے ہو کہ دیوانے سے اس کا ذرا سا مقام بھی چھین لو۔ لیجاؤ اسے بھی لے جاؤ، سب پڑھ ڈالو، سب رٹ لو۔ خلقہ، فقدرہ ثم السبیل یسّرہ........ ثم السبیل یسّرہ۔

(شیخ سرمد ابراہیم بدخشانی کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کا بدن کانپ رہا ہے)

شیخ سرمد: کیوں، بولتا کیوں نہیں، کیا معنی ہیں اس کے؟ ...... تو نے کبھی کسی غریب عورت کی روٹی کھائی ہے...... مفت اور برسوں اور روز؟......

بتا اگر اس عورت کا شوہر قتل ہو جائے اور وہ تیرے پاس فریاد لے کر آئے، تو کیا کہے گا؟ ثم السبیل یسّرہ۔

ابراہیم: میری سمجھ بہت ناقص ہے۔

شیخ سرمد: پھر کیا تو مجھے حیران کرنے کے لئے آیا ہے؟ جا
یہاں سے!
(شیخ سرمد غصہ میں ٹہلنے لگتے ہیں، اور ابراہیم بدخشانی سر جھکائے
خاموش کھڑا رہتا ہے)
شیخ سرمد: کیوں، جاتا کیوں نہیں؟
ابراہیم: حضور، میں جا نہیں سکتا، میرے استاد ملا ابوالقاسم
نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ انھوں نے فرمایا ہی
کہ دیکھو، اگر شاہ صاحب مطمئن ہوں تو سلام کر کے
چلے آنا، اگر مضطرب ہوں تو ان کی خدمت میں حاضر
رہنا، جب تک کہ ان کو سکون نہ ہو جائے۔
(شیخ سرمد پر معلوم ہوتا ہے بجلی سی گر رہی ہے۔ وہ
کچھ دیر کھڑے جھومتے رہتے ہیں، پھر لڑکھڑا کر دو تین
قدم چلتے ہیں اور گر پڑتے ہیں۔ ابراہیم اُن کا سر اپنے
زانو پر رکھ کر اُسے دابنے لگتا ہے۔ تھوڑی دیر کے
بعد دو لڑکے داخل ہوتے ہیں)
پہلا لڑکا: ارے دیکھ ہاتھی...... اس ہاتھی پر کون ہے؟
دوسرا لڑکا: ہاتھی پر کوئی بھی ہو، دیکھ سپاہی بھی تو ساتھ

ہیں۔ چل بھاگ چل یہاں سے۔
پہلا لڑکا: ارے چلتے ہیں بھائی، ذرا تماشا تو دیکھ لیں۔ دیکھو ہاتھی بیٹھ رہا ہے۔
دوسرا لڑکا: اوہو' یہ وہ ہوگا، شہزادہ دارا شکوہ۔ دیکھا اسی طرف آرہا ہے۔ بھاگ، بھاگ!
(دونوں لڑکے چلے جاتے ہیں۔ دوسری جانب سے دارا شکوہ داخل ہوتا ہے۔ شیخ سرمد کو دیکھتے ہی اُن کی طرف لپک کر آتا ہے اور قدم بوسی کرتا ہے شیخ سرمد آنکھیں کھول کر اُسے دیکھتے ہیں اور مسکراتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اُن کے چہرے کا رنگ خوشی سے بدل جاتا ہے۔ ابراہیم شہزادے کو دیکھ کر کھڑا ہو جاتا ہے)
دارا: حضور، میں معافی کا خواستگار ہوں۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کو دل بہت دنوں سے چاہتا تھا لیکن دنیا کی الجھنوں میں ایسا پڑ گیا کہ یہ شرف نصیب نہ ہوا۔
شیخ سرمد: (مسکرا کر) ہوں ... یاد ہے کہ تری ہری کی وہ رباعی جس کا ترجمہ ہم دونوں نے مل کر کیا تھا؟

کیا کہتا ہے......

راضی دل دیوانہ بہ تقدیر نہ شد — فارغ ز خیال و فکر و تدبیر نہ شد
ایام شباب رفت و باقیست ہوس — ما پیر شدیم، آرزو پیر نہ شد

آرزو جوان ہی رہی

دارا، حضور، اب وہ دن یاد نہ دلائیے۔
(اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ لیتا ہے اور رونے لگتا ہے
شیخ سرمد: (اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر)

دیدی کہ غم و عیش جہاں زود گذشت — چیزے کہ در اندیشۂ تو بود گذشت
ایں یک دو نفس کہ ماند سرمایۂ تو — ہشیار کہ نقصان نہ کنی سود گذشت

(دارا ہاتھوں سے چہرے کو ڈھکے رہتا ہے) خاموشی۔

دارا، حضور، میری حالت تو اُس دیوانے کی سی ہے جسے نصیحت بھی ناگوار ہوتی ہے۔ خیر خواہوں نے سمجھایا، خداوند عالم سمجھاتے سمجھاتے حیران ہو گئے، مگر کسی کی بات میرے دل پر نہ پڑی۔ اب ہلاکت سے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے، اور اسی سے بچنے کے لئے ہاتھ پیر مار رہا ہوں۔ کاش کہ مجھ میں اتنی ہمت ہوتی کہ اپنے آپ کو ملک الموت کے حوالے کر دیتا اور اپنے وفاداروں کو مصیبت سے بچا لیتا۔ مگر مجھے تو اب تباہی میں مزا آنے لگا ہے

مجھے سلطنت نہیں ملی ہے.......تو میں چاہتا ہوں
کہ میرے پاس کچھ نہ رہے، جو عمر باقی ہے اس میں
آوارہ پھروں، اور اپنے جذبۂ انتقام کے سوا کوئی
یادگار نہ چھوڑوں۔

شیخ سرمد: اِنتقام کس سے لوگے۔ ذرا غور تو کرو، زاہد
عاشق سے بھی زیادہ مبتلا ہوتا ہے۔

زاہد تو چہ لذت زر یافتۂ — صد خرقۂ پشمینہ بہم بافتۂ
از رشتۂ تسبیح کہ باریک ز موست — محکم رسنے برائے خود بافتۂ

(دارا سمجھ جاتا ہے کہ شیخ سرمد کا اشارہ کس طرف
ہے اور اس کے چہرے پر کچھ شگفتگی آجاتی ہے۔)

دارا: حضور، خداوند عالم نے کبھی اورنگ زیب کو یہی
بات ایک خط میں لکھی تھی۔ انھوں نے فرمایا تھا کہ تم
نے خانہ جنگی کی مثال قائم کی ہے تو یقین جانو کہ تمھاری
اولاد اُسے اپنی نظروں کے سامنے رکھے گی، تم
عمر بھر خطرے میں رہوگے اور بڑھاپے میں تم میری
طرح معذور ہو جاؤ گے تو تمھارے لڑکے ایک
دوسرے کا خون بہائیں گے۔ مگر اس ہوس گے

بندے نے ایک نہ سنی اور اب کامیابی نے اسے اور کوتہ اندیش کر دیا ہے۔

شیخ سرمد: کوتہ اندیش ہم سب ہیں۔

جز محنت و رنج نیست حاصل ز ہمہ — فارغ شو و آزاد بکن دل ز ہمہ
خود را بجدا گذار، اندیشہ مکن — ایں فکر و خیال و وہم مشکل ز ہمہ

دارا: حضور، دعا کیجئے کہ یہ مرتبہ مجھے نصیب ہو۔ اب مجھے اجازت دیجئے میں آپ کے پاس بیٹھنے کے قابل نہیں رہا ہوں۔

شیخ سرمد: (دارا کا ہاتھ پکڑ کر)

ہر جا کہ روی مہر و وفا یار تو باد — آرام و فراغت ہمہ جا یار تو باد
از نامہ و پیغام فراموش مکن — یاد آوریم بکن خدا یار تو باد

(دارا شیخ سرمد کے قدموں پر گر پڑتا ہے اور کچھ دیر پڑا رہتا ہے۔ پھر اٹھ کر ان کی طرف دیکھے بغیر سر جھکائے چلا جاتا ہے۔ شیخ سرمد کسی فکر میں ڈوبے بیٹھے رہتے ہیں۔ پھر اٹھ کر ٹہلنے لگتے ہیں)

اے سرمد گلہ اختصار می باید کرد — یک کار ازیں دو کار می باید کرد

یا تن برضائے دوست می باید داد یا قطع نظر زیار می باید کرد

(شیخ سرمد رباعی کا ایک ایک مصرع اس طرح پڑھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے رباعی اسی وقت کہی ہے۔ رباعی کہنے کے بعد وہ اپنے منھ پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ اب ان کے دل کو کچھ سکون ہو گیا ہے)

شیخ سرمد: (ابراہیم سے مخاطب ہو کر) تم کو گانا آتا ہے؟

ابراہیم: جی نہیں۔

شیخ سرمد: شراب بھی نہ کھینچتے ہو گے؟

(ابراہیم شرمندہ ہو کر سر جھکا لیتا ہے)

شیخ سرمد: تمھارا نام کیا ہے؟

ابراہیم: ابراہیم بدخشانی۔

شیخ سرمد: کیا ہوا۔ ایسے ابراہیم تو نہیں ہو کہ خدا کے دوست بنو اور کافر کو روٹی نہ دو۔ نشہ نہیں پیدا کر سکتے نہ سہی، سر کا درد تو مٹا دیتے ہو۔

ابراہیم: (کچھ تامل کے بعد، حضور کے ناگوار خاطر نہ ہو تو ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔

شیخ سرمد: کیا؟

ابراہیم: خانہ جنگی کے اِس دَور میں مِلّت کی وحدت کیسے قائم رکھی جا سکتی ہے؟

شیخ سرمد: میں کیا جانوں؟ میں تو ابھی تک کلمہ بھی پورا نہیں پڑھ سکا ہوں۔ مگر میں تمھیں ایک بات بتاتا ہوں۔ سوال کبھی نہ کیا کرو، اس لئے کہ جواب ہمیشہ غلط ہوتا ہے۔ شعر پڑھو، شراب پیو، دیوانے بنو۔ سوال مت کرو۔ جس نے سوال کیا اس نے اپنے پاؤں میں زنجیر پہنی۔ (ابراہیم کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اور اس کی آنکھ سے آنکھ مِلا کر) کیا سمجھے؟

ابراہیم: (شرمندگی سے مسکرا کر) کچھ نہیں۔

شیخ سرمد: دیکھو، میں نے کہا تھا کہ ہر جواب غلط ہوتا ہے۔ تم اپنے دل میں سوچ رہے ہو کہ یہ دیوانہ ہے، اس نے جو بات کہی ہے اِس کا مطلب کچھ ضرور ہوگا اب میں جا کر اپنے استاد سے پوچھوں گا کہ آخر اِس کا مطلب کیا ہے۔

ابراہیم: (اور شرمندہ ہو کر) جی ہاں، یہی سوچ رہا تھا۔

شیخ سرمد: دیکھا!

ابراہیم : مگر سوال نہ کروں تو کیا کروں ؟
شیخ سرمد : حقیقت کی ایک طلب وہ ہوتی ہے جو سوال بن کر نکلتی ہے ۔ ایک طلب وہ ہوتی ہے جو خود سائل کو سوال کا جواب بنا دیتی ہے ، یاد رکھو ، حقیقت کا کوئی علم نہیں ہے ، حقیقت کے صرف عالم ہوتے ہیں ۔
ابراہیم : مگر حضور ....
شیخ سرمد : بس ، بس ، بس ، .... مجھے سوال جواب میں نہ الجھاؤ .... (پیچھے کی طرف دیکھ کر) جزاک اللہ ، جزاک اللہ ، میرا ساقی آگیا ، میری شراب آگئی (ابراہیم سے) بیٹھ ، تو بھی کچھ پی لے ۔
(علی قوال ایک لڑکے کے ساتھ داخل ہوتا ہے اور شیخ سرمد کی قدم بوسی کرتا ہے ۔)
علی قوال : حضور کا مزاج تو اچھا ہے ؟
شیخ سرمد : پیاسا ہوں ۔ بہت پیاسا ہوں ۔
علی قوال : حضور یہ میرا لڑکا ہے ۔ اسے میں ساتھ لے آیا ہوں ۔
شیخ سرمد : (ہاتھ جوڑ کر) مجھے ایک ہی ساقی کافی ہے

بس پیاس بجھا دے۔

علی قوال: (ہنس کر) حضور مجھے معلوم ہوتا تو میں پہلے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ حضرت نظام الدین کے عرس کے بعد فوراً ہی چلا آتا۔

(شیخ سرمد کوئی جواب نہیں دیتے، منھ کی طرف بار بار ہاتھ لے جاتے ہیں اور جھومنے لگتے ہیں۔ علی قوال مسکراتا ہے اور لڑکے کے کان میں کچھ کہتا ہے)

علی قوال: حضور حافظ کی ایک غزل سناؤں؟

شیخ سرمد: کسی کی بھی ہو، مجھے بس نشہ چاہیئے۔

(علی قوال پہلے گنگناتا ہے۔ پھر گانا شروع کرتا ہے)

نفس برآمد و کام از تو بر نمی آید — فغاں کہ بخت من از خواب بر نمی آید
نفس برآمد و کام از تو بر نمی آید — فغاں کہ بخت من از خواب بر نمی آید
مگر بہ روئے دل آرائے یار من ورنہ — بہیچ گونہ دگر کار بر نمی آید
دریں خیال بسر شد دریغ عمر عزیز — بلائے زلف سیاہت بسر نمی آید
بسے حکایت دل ہست با نسیم سحر — ولے بہ بخت من امشب سحر نمی آید

دل کے مراد اب آجا ورنہ یہ کام کسی صورت حل نہیں ہو سکتا
اسی خیال میں افسوس ہے سارا عمر عزیز گزر گئی ہے کبھی تمہاری زلفوں کو نہ پا سکا
دل کی بہت سی باتیں ہیں جو میں نسیم سحر کے ذریعہ بھیجنا چاہتا ہوں
لیکن میری بدقسمتی کی یہ رات اتنی طویل ہو گئی ہے کہ صبح ہونے ہی میں نہیں آتی

خدائے دوست نہ کردیم عمر و مال دریغ — کہ کارِ عشق زِ ما ایں قدر نمی آید

(اس شعر پر شیخ سرمد پر کچھ کیفیت سی طاری ہوتی ہے۔ علی قوال اسے بار بار گاتا ہے)

زبس کہ شد دلِ حافظ رمیدہ از ہمہ کس — کنوں ز حلقۂ زلفت بدر نمی آید

نفس بر آمد و کام از تو بر نمی آید — فغاں کہ بخت من از خواب بر نمی آید

(علی قوال خاموش ہو جاتا ہے۔ شیخ سرمد جھومتے رہتے ہیں۔ علی قوال چپکے سے اپنے لڑکے کے کان میں کچھ کہتا ہے اور پھر گنگنانے لگتا ہے)

شب خیال طرۂ شوخے بدل پیچید و رفت

شب خیال طرۂ شوخے بدل پیچید و رفت ......

(شیخ سرمد کو اس مصرع پر حال آجاتا ہے اور علی قوال کھڑا ہو جاتا ہے اور اسے برابر گاتا رہتا ہے۔ شیخ سرمد پہلے لیٹ جاتے ہیں، پھر ایک عجیب رقص کے انداز سے اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر زمین پر گر پڑتے ہیں۔ اور بے حرکت پڑے رہتے ہیں۔)

(پردہ)

تیسرا ایکٹ

مُلّا ابوالقاسم کا مدرسہ۔ اِس میں بائیں طرف دیوار سے لگا ہوا ایک چھوٹا سا گاؤ تکیہ رکھا ہے۔ اُس کے آگے ایک چھوٹا اور سستا سا قالین بچھا ہے۔ قالین پر ملّا ابوالقاسم بیٹھے ہیں۔ اُن کے سامنے آٹھ دس نوجوان ہیں ایک نوجوان جو معلوم ہوتا ہے کچھ پوچھنے آیا ہے ملّا ابوالقاسم کے پاس بیٹھا ہے اور کسی کتاب کے ورق اُلٹ رہا ہے۔ لطف اللہ ہانپتا کانپتا داخل ہوتا ہے۔

لطف اللہ: مولانا، غضب ہو گیا۔ شیخ سرمد گرفتار کر لیے گئے

(نوجوان سب لطف اللہ کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔
مُلّا ابو القاسم کو سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ وہ اپنے دانت بھینچ لیتے ہیں اور بڑی مایوسی کے انداز میں سر جھکا لیتے ہیں)

لطف اللہ: اسی وجہ سے مجھے آنے میں دیر ہو گئی۔ جامع مسجد کے قریب ایسی بھیڑ تھی کہ راستہ چلنا دشوار تھا میں دوسری طرف سے جامع مسجد کے اندر گیا اور وہاں سے دیکھا کہ چند سپاہی شیخ سرمد کو گھیرے ہیں، اور ان کے ہتھکڑیاں ڈال دی ہیں۔ وہ انھیں قیدخانے کی طرف لے جانا چاہتے تھے مگر چاروں طرف مجمع ایسا تھا کہ وہ چل نہیں پاتے تھے۔ آخر میں انھوں نے تلواریں نکالیں۔ تب لوگ کچھ ڈرے اور رستہ چھوڑنے لگے۔ بہت سے لوگ زار و قطار رو رہے تھے، مگر شیخ سرمد کو بچانے کی کوشش کسی نے نہیں کی۔

(سب کچھ دیر خاموش رہتے ہیں۔ پھر ایک نوجوان حفظ الرحمٰن کہتا ہے)

حفظ الرحمٰن: مولانا شیخ سرمد کو بچانے کی کوئی کوشش تو

ضرور کرنا چاہیئے۔

لطف اللہ: جی ہاں، مولانا! اگر آپ کسی طرح سے شیخ سرمد کو چھڑا دیں تو شاہ جہاں آباد کے لوگ آپ کو بہت دعائیں دیں گے۔

ملّا ابوالقاسم: بادشاہ کو شہر والوں کے خیالات معلوم ہیں۔ اس نے جو کچھ کیا ہے وہ سوچ کر کیا ہوگا۔ اب اُس پر کسی کی منّت و التجا کا اثر نہ ہوگا۔

لطف اللہ: مگر مولانا! عوام کے دلوں کو اِس طرح کچلنا تو بڑا ظلم ہے۔

ملّا ابوالقاسم: ہاں مگر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو ایک کو صریحی ظلم معلوم ہو اُسے دوسرا عینِ انصاف کہے۔

ابراہیم:- ایسی حرکت کو کوئی انصاف بھی کہہ سکتا ہے؟

ملّا ابوالقاسم: کبھی کبھی نفرت اور بغض کی ایسی وبا پھیلتی ہے کہ وہ رحم اور محبت کے مادّے کو بالکل سلب کر لیتی ہے، لوگ ایسے تنگ نظر اور سنگ دل ہو جاتے ہیں گویا اُن کی فطرت بدل گئی ہے۔ خانہ جنگی فطرت کے اس طرح بدلنے اور بگڑنے کی علامت ہے۔

ابراہیم ، مگر اب توخانہ جنگی ختم ہو گئی ہے۔

ملّا ابو القاسم : ہاں ، اب فوجوں کی لڑائی تو نہیں ہو رہی مگر دلوں میں بغض اور کینہ باقی ہے۔ لطف اللہ نے شیخ سرمد کی گرفتاری پر بہت سے لوگوں کو روتے دیکھا لیکن اُس وقت بہت سے لوگ ایسے بھی ہوں گے جنھیں خوشی ہو گی۔ شیخ سرمد نے اُن کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا، وہ شیخ سرمد کے خیالات کو سمجھتے بھی نہ ہوں گے۔ پھر بھی انھیں اِس پر خوشی ہو گی کہ شیخ سرمد پکڑ لئے گئے اور غالباً شہید کر دئے جائیں گے۔ آج کل لوگ زبان سے کچھ بھی کہیں، انھیں ہر وقت فکر اس کی ہوتی ہے کہ انھیں کوئی مخالف ملے جسے وہ بُرا کہہ سکیں اور تکلیف پہنچا سکیں۔ کسی پر جھوٹا الزام بھی لگایا جائے تو لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ حقیقت میں وہ ملزم ہے، اور چاہتے ہیں کہ وہ ملزم ثابت ہو، اُسے سخت سے سخت سزا دی جائے۔ اُن کے دلوں میں آگ سی جلتی رہتی ہے جس کے شعلے اُن کی آنکھوں سے اور ان کی زبان سے نکلتے ہیں، اور اس آگ کو

اپندھن چاہیئے، نہیں تو آدمی خود اُس میں جلنے لگتا ہے، جیسے دئے میں تیل نہ رہے تو بتی جل جاتی ہے۔

خاموشی۔

ملّا ابوالقاسم: اس کا ایک علاج یہ ہے کہ خدا پر بھروسہ کرو اور اپنے کام میں لگے رہو، دوسرا علاج یہ ہے کہ شیخ سرمد کی طرح مخالفوں سے ٹکر لو اور دار پر چڑھو۔

حفظ الرحمٰن: مگر مولانا جب کسی کی سمجھ میں نہ آئے کہ شیخ سرمد دار پر کیوں چڑھے تو اس سے کیا فائدہ؟

ملّا ابوالقاسم: حق کی خدمت کوئی کاروبار نہیں ہے کہ جس کام میں نفع ہو وہ کیا جائے اور جس میں نفع نہ ہو وہ نہ کیا جائے۔ حق کی راہ میں جان دینے والے اپنی الگ طبیعت رکھتے ہیں، کوئی تلقین کرتا ہے، اور ساری عمر اسی میں صرف کرتا ہے، بغیر یہ سوچے ہوئے کہ اس کی محنت اور ایثار کا کوئی نتیجہ نکلتا ہے یا نہیں، کوئی ہاتھ میں تلوار لے کر اور سر پہ کفن باندھ کر نکلتا ہے اور یہ نہیں سوچتا

کہ اس کی جان سلامت رہے گی اور اسے کامیابی ہو گی
یا نہیں، کوئی مخالف عناصر کو اِس طرح جمع کرتا ہے
جیسے شادی میں مہمان بلائے جاتے ہیں اور برات
لے کر قتل گاہ کو جاتا ہے۔

خاموشی

(کوئی شخص دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ ابراہیم بدخشانی
چُپکے سے دروازہ کی طرف جاتا ہے۔ السلام علیکم،
وعلیکم السلام کی آواز آتی ہے اور پھر عبدالرحمٰن
ابراہیم بدخشانی کے آگے آگے داخل ہوتا ہے۔ مُلّا
ابو القاسم بڑھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہیں اور پھر
دونوں قالین پر بیٹھ جاتے ہیں۔)

عبدالرحمٰن: مولانا صاحب، آپ نے مجھے پہچانا نہ ہوگا، اگرچہ
ایک دو دفعہ آپ سے نیاز حاصل ہو چکا ہے۔ آپ
کا شاگرد حفظ الرحمٰن میرا لڑکا ہے۔ مجھے آپ سے
بڑی عقیدت ہے اور بہت زمانے سے ہے۔ میں
نے سوچ لیا تھا کہ میرا لڑکا پڑھنے کے قابل ہوا تو
اُسے آپ ہی کی خدمت میں رکھوں گا۔ چنانچہ وہ

کئی سال سے آپ کی صحبت سے فیض حاصل کر رہا ہے۔

ملّا ابوالقاسم: جی ہاں، حفظ الرحمن میرے بہت ہی عزیز شاگردوں میں سے ہے۔ آپ کا مجھ پر بڑا احسان ہے کہ آپ نے اُس کی تعلیم و تربیت میرے سپرد کی۔ ماشاءاللہ بہت ہونہار نوجوان ہے۔

عبدالرحمن: میری دلی خواہش تھی کہ اسے یہیں رکھوں جب تک وہ اپنی تعلیم ختم نہ کرلے۔ مگر اب میرے دوست احباب مخالفت کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ مولانا صاحب کے خیالات پسند نہیں کئے جاتے، لڑکے کو ان کے یہاں پڑھاتے رہے تو پچھتاؤ گے۔

ملّا ابوالقاسم: آپ کے عزیزوں اور محلے والوں کو میرے چند ہی عیب معلوم ہوں گے۔ میں کبھی سوچتا ہوں کہ اپنے عیبوں کی فہرست تیار کروں اور اسے دروازے پر لٹکا دوں۔ پھر کسی کو دھوکا نہ ہوگا۔ مگر مکمل فہرست بنانے کے لئے جتنا کاغذ چاہیے وہ میرے پاس نہیں۔

عبدالرحمٰن، مولانا صاحب آپ کو اِس طرح گفتگو نہیں کرنا چاہیئے۔ میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں آپ کا بہت معتقد ہوں اور میرے تمام جان پہچان والے کہتے ہیں کہ شاہ جہاں آباد میں آپ سے بہتر کوئی استاد نہیں۔ اسی وجہ سے میں چاہتا تھا کہ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی دشواری بیان کروں۔ آپ کے شایانِ شان نہیں ہے کہ آپ میری عقیدت مندی کو ٹھکرائیں۔ آپ کا حق ہے کہ شاہجہاں آباد کے لوگ آپ کے علم اور آپ کی شفقت کی قدر کریں، آپ کو چاہیئے کہ اپنے عقیدت مندوں کے جذبات کا لحاظ کریں۔

(ملّا ابوالقاسم نظریں نیچی کئے بیٹھے رہتے ہیں اور کچھ جواب نہیں دیتے۔ کچھ دیر خاموشی رہتی ہے)

عبدالرحمٰن، تو مولانا صاحب، پھر میں کیا سمجھوں؟

ملّا ابوالقاسم، آپ یہ سمجھیئے کہ جو مصلحت ہو وہی کرنا چاہیئے۔

عبدالرحمٰن، مگر میں اپنے لڑکے کو اُس فائدے سے محروم

نہیں کرنا چاہتا جو اُسے آپ کے قدموں پر بیٹھ کر حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ خیال کچھ ایسا بیجا نہیں ہے کہ آپ اُسے خاطر ہی میں نہ لائیں۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے بہت افسوس ہوگا اگر میرا لڑکا یہاں کی تعلیم و تربیت سے محروم رہا۔

ملّا ابوالقاسم: میرا کام تعلیم دینا ہے اور مجھے بہت خوشی ہوتی ہے اگر مجھے اپنے فرائض کو انجام دینے کا موقع ملتا ہے۔ لیکن اپنے فائدے اور نقصان کا اندازہ آپ ہی کر سکتے ہیں۔

عبدالرحمٰن: مولانا صاحب، آپ تو پھر وہی بات کہہ رہے ہیں۔

ملّا ابوالقاسم: آپ کا کیا منشا ہے، میں کیا کہوں؟

عبدالرحمٰن: میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ شاہ جہاں آباد کے لوگ آپ کے علم اور آپ کی تعلیم کی دل سے قدر کرتے ہیں اور سب کو بہت افسوس ہے کہ آپ کے بعض خیالات کی وجہ سے آپ کی شہرت کو نقصان ہو رہا ہے۔

ملّا ابوالقاسم:۔ میری جو حیثیت اور ملکیت ہے اسے آپ دیکھ چکے ہیں۔ اس سے زیادہ کی مجھے ضرورت نہیں۔ آپ لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ میرے پاس لڑکوں کو تعلیم کے لئے بھیجنا مناسب نہیں تو یہ تھوڑی سی جگہ مجھے بہت خالی نہ معلوم ہوگی، اگر آپ نے طے کیا کہ میں معلمی کا کام کر سکتا ہوں تو خدا کے فضل سے اس جگہ میں اور میرے دل میں پوری گنجائش نکل آئے گی۔

عبدالرحمٰن:۔ مولانا صاحب، مجھے بہت شرمندگی ہے کہ میں اپنا مطلب واضح نہیں کر سکا۔ اب کیا عرض کروں۔

ملّا ابوالقاسم:۔ آپ نے جو کچھ طے کر لیا ہے وہ تو آپ کریں گے، لیکن مجھے میرا قصور معلوم ہو جائے تو میں سمجھ لوں گا کہ مجھے سزا کیوں دی جا رہی ہے۔ میرے خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ میرا طریقہ بھی نہیں بدلا ہے۔ میں ہمیشہ سے اسے بہت برا سمجھتا رہا ہوں کہ مسلمان ایک دوسرے سے لڑیں، چاہے وہ میرے شاگرد ہوں یا کسی سلطنت کے حکمراں۔

عبدالرحمٰن:۔ چاہے ایک فریق بے دین ہو اور دوسرا دین دار ایک کافر نواز ہو اور دوسرا حق پرست؟

ملّا ابوالقاسم:۔ میں خانہ جنگی کو تباہی کی علامت سمجھتا ہوں اس لئے اسے

برحق نہیں مان سکتا۔ اگر آپ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ میں دارا کا طرف دار ہوں اور اورنگ زیب عالم گیر کا مخالف تو یہ آپ کا استدلال ہے۔ میرے خیالات کو اس سے کوئی نسبت نہیں۔

عبدالرحمٰن :۔ تو پھر آپ اسے صاف صاف کیوں نہیں بیان کر دیتے۔

ملّا ابوالقاسم :۔ مجھے جو کچھ کہنا ہے وہ میں بہت صاف کہتا ہوں۔ ملتِ اسلامی کے لئے سب سے زیادہ مہلک چیز خانہ جنگی ہے۔

عبدالرحمٰن :۔ مگر اب تو جنگ کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ اب آپ ایسی بات کیوں کہتے ہیں۔

ملّا ابوالقاسم :۔ خانہ جنگی ہر وقت اور ہر معاملہ پر ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں کو اس خطرے سے آگاہ کرنے کی ہر وقت ضرورت ہے۔

عبدالرحمٰن :۔ اس وقت بھی؟

ملّا ابوالقاسم :۔ توبہ گناہ سے بچنے کے لئے کی جاتی ہے۔ آپ مجھے سمجھا رہے ہیں کہ جب گناہ کر لیا ہے تو پھر توبہ کرنا مصلحت کے خلاف ہے۔

عبدالرحمٰن :۔ آپ کا خیال ہے کہ اب جو لڑائی ختم ہو گئی ہے تو نعوذ باللہ عالمگیر بادشاہ کے خلاف بغاوت کرنا چاہیئے؟

ملّا ابوالقاسم :۔ میں خانہ جنگی کو بہت بُرا سمجھتا ہوں۔

عبدالرحمٰن :۔ اس لئے آپ عالمگیر بادشاہ کو سلطنت کا حق دار نہیں مانتے۔

ملّا ابوالقاسم :۔ مجھے تاج و تخت کے حق سے کوئی بحث نہیں وہ جسکو ملے اُسے مبارک ہو۔

عبدالرحمن، لیکن اگر آپ سے رائے لی جائے۔
ملا ابوالقاسم، میں وہی کہوں گا جو آپ سے عرض کر چکا ہوں آپ لوگ چاہیں تو مجھے اس کی سزا دلوا سکتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ میری باتوں سے ایسا نتیجہ نہ نکالیں کہ میں سزا کا مستحق ہو جاؤں۔ اب آپ کی جو مصلحت ہو وہ کیجئے۔ میں راضی برضا ہوں۔
عبدالرحمن، مولانا صاحب، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے یا کسی اور کو ذرا بھی خواہش نہیں کہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچے۔ ہم سب آپ کی عزت اور قدر کرتے ہیں۔ اب آپ خود سوچ لیجئے کہ آپ کے لئے کہاں تک مناسب ہے کہ مسلمانوں کے جذبات کا خیال نہ کریں اور انھیں مخالفت پر مجبور کریں۔ بس اب میں آپ کی اور سمع خراشی نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے اجازت دیجئے۔ السلام علیکم
ملا ابوالقاسم، وعلیکم السلام
(عبدالرحمن چلا جاتا ہے۔ طالب علم سب حفظ الرحمن کی طرف دیکھنے لگتے ہیں، وہ مسکراتا ہے)

حفظ الرحمٰن: مولانا، آپ اِس سے پریشان نہ ہوں۔ لوگ آ آ کر والد صاحب کو پریشان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ تم نے اپنے لڑکے کو ایسے عالم کے پاس بھیجا ہے جو خانہ جنگی کو بُرا کہتا ہے اور محبت فی اللہ کی تلقین کرتا ہے تو یقین جانو اس کی خبر بادشاہ عالم تک پہنچے گی اور پھر اسے کوئی ملازمت نہ ملے گی .... اصل بات یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو جاسوس سمجھنے لگے ہیں اور انھیں ڈر ہے کہ اگر کوئی بات کہی گئی جو بادشاہِ عالم کے خلاف ہوئی تو وہ دربار تک پہنچ جائے گی اور پھر سختی سے باز پُرس ہوگی۔

ملّا ابو القاسم: خانہ جنگی کی ایک آفت یہ بھی ہے کہ ہر شخص جاسوس بن جاتا ہے، اور اشتعال دینے والی خبریں پھیلانے لگتا ہے۔ اب ہمیں چاہیے کہ فائدے اور نقصان، آرام اور تکلیف کا خیال چھوڑ دیں اور شیخ سرمد کی نصیحت کو ہر وقت ذہن میں رکھیں، تمھیں یاد ہے انھوں نے فرمایا تھا کہ حقیقت کی ایک طلب وہ ہوتی ہے جو سوال بن کر نکلتی ہے، ایک طلب

وہ ہوتی ہے جو خود سائل کو سوال کا جواب بنا دیتی ہے۔ اب ایسا آدمی بننے کی کوشش کرو کہ جو تمہیں دیکھے اُسے یقین ہو جائے کہ ملّتِ اسلامی کی وحدت تمہاری مروّت اور شرافت میں قائم ہے، اور ہر صدمہ جو تمہارے دل کو پہنچے گا اس وحدت میں اور استقلال پیدا کرے گا۔

(باہر سے آواز آتی ہے: جناب مولانا ابوالقاسم صاحب تشریف رکھتے ہیں؟ ابراہیم بدخشانی دروازے کی طرف جاتا ہے اور ایک نوجوان کے ساتھ جس کی وضع قطع مولویوں کی سی ہے واپس آتا ہے)

نوجوان: (کمرے اور طالب علموں پر ایک نظر ڈال کر) السلام علیکم میں یہ عرض کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ جناب صدر الصدور محتسب شاہی علّامہ اعتماد خاں عبد القوی صاحب آپ سے ملاقات کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔

ملا ابوالقاسم: میں حاضر ہوں، مگر.........

(اعتماد خاں عبد القوی داخل ہوتا ہے۔ ملا ابوالقاسم

اور طالب علم " السلام علیکم " کہتے ہیں اور وہ کسی قدر
بے پروائی سے جواب دیتا ہے)

اعتماد خاں: ملا ابوالقاسم آپ ہی ہیں؟

ملا ابوالقاسم: بندے کا نام ابوالقاسم ہے۔ (گاؤ تکیئے اور
قالین کی طرف اشارہ کرکے) تشریف رکھئے۔

(اعتماد خاں گاؤ تکیئے سے ٹیک لگا کر اس طرح بیٹھ
جاتا ہے کہ گویا مسند نشینی اسی کا حق ہے۔ ملا ابوالقاسم
اور طالب علم سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ پھر وہ کمرے
پر حقارت آمیز نظر ڈال کر ملا ابوالقاسم کو اشارہ کرتا
ہے کہ سامنے بیٹھ جائیں)

(ملا ابوالقاسم طالب علموں کو اشارہ کرتے ہیں کہ وہ
بھی بیٹھ جائیں)

اعتماد خاں: آپ یہاں درس بھی دیتے ہیں؟

ملا ابوالقاسم: جی ہاں، کچھ نوجوان میرے پاس پڑھنے کو
آجاتے ہیں۔

اعتماد خاں: (ابراہیم کی طرف اشارہ کرکے) یہ کون
ہے؟

ملا ابوالقاسم: یہ میرا ایک شاگرد ہے۔
اعتماد خاں: ہوں، میں نے آپ کے مدرسے کی بہت تعریف سُنی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ آپ اخلاقی تربیت کی طرف خاص توجہ کرتے ہیں۔
(ملا ابوالقاسم کوئی جواب نہیں دیتے)
اعتماد خاں: تعلیم دینا ایک بہت اہم کام ہے، اِس لئے معلم کو چاہئیے کہ وہ عقائد اور اخلاق کے بارے میں صحیح رائے رکھتا ہو۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ مجھے بادشاہ عالم اورنگ زیب عالمگیر نے محتسب مقرر کیا ہے، اور پہلا کام جو میرے سپرد کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اُس بے دینی کے آثار کو مٹاؤں جو داراشکوہ کی کفر دوستی اور کافر نوازی نے پھیلادی تھی۔
(اعتماد خاں ملّا ابوالقاسم کی طرف اِس طرح دیکھتا ہے کہ گویا جواب کا منتظر ہے۔ ملا ابوالقاسم سر جھکائے بیٹھے رہتے ہیں)
اعتماد خان: آپ کچھ فرماتے نہیں بہر حال جس شخص کے

دل میں دین کی ذرا بھی محبت ہے وہ اس وقت احتساب میں مصروف ہے اور بادشاہ عالم کا فرض ہے کہ وہ اپنی قوت اور اقتدار کو عقائد اور عمل کی اصلاح کا ذریعہ بناکر خلافت کے منصب کا حق ادا فرمائیں۔.......... آپ اس کام میں مدد دینے پر کچھ مستعد نہیں معلوم ہوتے۔

ملّا ابوالقاسم: میرا علم اس کے لئے بھی کافی نہیں کہ نوجوانوں کی پوری رہنمائی کر سکوں۔ میں جب کبھی اپنی قابلیت اور استعداد کا جائزہ لیتا ہوں تو شرمندگی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اعتماد خاں: اس طرح کے رسمی انکسار میں پناہ لینا فرائض کی انجام دہی سے گریز کرنا ہے۔ میں آپ سے فقہ کے دقیق مسائل پر بحث کرنا نہیں چاہتا، صرف ایک ایسے معاملے میں رائے لینا چاہتا ہوں جس میں کوئی شخص اختلاف نہ کرے گا، سوا اس کے کہ اُس کے اپنے عقائد درست نہ ہوں، یا اُس کی نیّت میں کوئی خلل ہو........ کافروں میں بعض فرقے ایسے ہیں جو بے حیائی کی تلقین کرتے ہیں اور ان کی اخلاقی بے حسی

اس درجے کو پہنچ گئی ہے کہ وہ برہنہ گھومتے ہیں۔
دارا شکوہ کی بدعت پسندی نے یہ خطرہ پیدا کر دیا
ہے کہ ایسی بے حیائی کی مثال مسلمانوں میں بھی قائم
ہو جائے...... اس کے علاوہ ہر مسلمان یہ جانتا ہے
کہ کفر اور اسلام کے درمیان بیّن فرق اور فصل قائم
رکھنا ضروری ہے۔ اور اگر کبھی اس کا اندیشہ ہو
کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے قریب آ کر مل جائیں
گے تو مفتی کی رائے اور مجاہد کی تلوار کو درمیان
میں آ کر کفر اور اسلام کے فرق کو واضح کر دینا چاہیے
......آپ اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے؟

ملا ابوالقاسم: میری طبیعت میں یہ ایک بڑی خامی ہے
کہ میں اصول اور عمل کو جدا نہیں کر سکتا۔ مگر آپ
میری اس معذوری کا خیال نہ کریں اور اپنا مطلب
بیان فرمادیں۔

اعتماد خان: خوب۔ میں نے اپنا مقدمہ بیان نہیں کیا
ہے اور آپ میری نیت پر شبہ کرنے لگے۔ بہرحال
اس معاملے کا فیصلہ صرف آپ نہیں کریں گے بلکہ

شاہ جہاں آباد کے تمام مفتی اور عالم۔ میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ شہر کے بعض لوگ آپ سے خاص عقیدت رکھتے ہیں اور بادشاہِ عالم کا ارشاد ہے کہ میں ہر خیال کے علماء کی رائے حاصل کروں تاکہ یہ اعتراض نہ کیا جا سکے کہ اِس معاملے میں یک طرفہ فیصلہ کیا گیا۔

مُلّا ابوالقاسم: میں ابھی تک یہ نہیں معلوم کر سکا ہوں کہ معاملہ کیا ہے۔

اعتماد خاں: (تیوری پر بل ڈال کر) وہ بھی سُن لیجئے معاملہ یہ ہے کہ اس شہر میں ایک شخص جسے سرمد کہتے ہیں کئی سال سے رہتا ہے۔ میں نے اس کے حالات دریافت کئے ہیں۔ وہ آرمینیہ کا یہودی ہے جو مسلمان ہو گیا اور تجارت کی غرض سے ہندستان آیا تھا۔ سندھ کے کسی شہر میں وہ ایک ہندو لڑکے پر عاشق ہو گیا اور چونکہ طبیعت پہلے ہی سے بیہودگی کی طرف مائل تھی، اس نے ایک نئے جذبے سے متاثر ہو کر اپنی شہوانیت کو بے حجاب کر دیا اور

جنسی جذبہ، جذباتی

بالکل ننگا رہنے لگا۔ سندھ سے وہ آوارہ گھومتا
ہوا شاہ جہاں آباد پہنچا۔ اسلامی دارالسلطنت میں ایسی
کرپہ بدعت ہرگز گوارہ نہ کی جاتی اگر دارا شکوہ
جیسا بے دین سلطنت کے اقتدار کو کفر کا سرپرست
نہ بنا دیتا۔ اب اسلام کے اِس دشمن کو وہ روسیاہی
نصیب ہوئی ہے جس کا وہ سزا وار تھا، اور بادشاہ عالم
کا حکم ہے کہ سرمد کے عقائد کے بارے میں تحقیق کی
جائے اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ ملحد اور
بے دین ہے تو اُسے مناسب سزا دی جائے۔ میں
سرمد سے ابتدائی سوال و جواب کر کے یہ رائے
قائم کر چکا ہوں کہ اس کو علماء اور مفتیوں کی ایک
عدالت کے سامنے پیش کرنا صرف مناسب نہیں بلکہ
ایک دینی فرض ہے، کیونکہ یہ شخص تصوف کی آڑ
لے کر اِسلامی عقائد کی بیخ کنی کر رہا ہے۔ بادشاہ عالم
کا حکم ہے کہ آپ بھی اس عدالت میں شریک ہوں
اور صحیح فیصلہ کرنے میں مدد دیں۔

ملا ابوالقاسم: میں شیخ سرمد کے عقائد اور ان کے مسلک

سے پوری واقفیت نہیں رکھتا لیکن اتنا جانتا ہوں کہ میرا منصف بن کر بیٹھنا اور انھیں اپنے سامنے طلب کرانا انتہائی گستاخی ہوگی۔ میں آپ کے ارشاد کی تعمیل نہیں کر سکتا۔

اعتماد خاں: میں آپ سے بیان کر چکا ہوں کہ میں یہ کارروائی بادشاہ عالم کے حکم سے کر رہا ہوں۔ آپ انکار کریں گے تو یہ بادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی ہوگی۔

ملا ابو القاسم: میرے لئے نافرمانی کی سزا بھگتنا زیادہ آسان ہوگا۔

اعتماد خاں: بہت بہتر...... (کچھ سوچ کر) لیکن آپ میں اتنی جرأت ہے کہ بادشاہ عالم کی عدول حکمی کریں تو آپ عدالت میں آکر اس عقیدت کا حق بھی ادا کر سکتے ہیں جو آپ کو اپنے پیر و مرشد سے ہے۔ دگیڑے میں لپٹے ہوئے کاغذ عبائے اندر سے نکال کر) لیجئے اس شاہی فرمان کو ملاحظہ فرمالیجئے تاکہ آپ کے دل میں کوئی شبہ نہ رہے۔

(ملا ابو القاسم شاہی فرمان کو غور سے پڑھتے ہیں اور

اعتماد خاں کو واپس کر دیتے ہیں)

اعتماد خاں: (حقارت آمیز تبسم کے ساتھ) آپ کو زحمت دینے کی معافی چاہتا ہوں۔ خدا حافظ۔

(اعتماد خاں اُٹھ کر چلا جاتا ہے) خاموشی!

ابراہیم:۔ مولانا اب کیا ہوگا؟

ملا ابو القاسم: ہوگا کیا۔ شیخ سرمد شہید ہوں گے خانہ جنگی کی تکمیل ہو جائے گی۔

لطف اللہ: مولانا کیا آپ کو یقین ہے کہ شیخ سرمد شہید کر دئے جائیں گے؟

ملّا ابو القاسم: ہاں، موحّد کی سب سے بڑی آرزو یہ ہوتی ہے کہ مادّی وجوُد سے نجات پائے اور حق سے واصل ہو جائے...... شیخ سرمد کوشش کریں گے کہ شریعت کی جو خلاف ورزی وہ کرتے ہیں وہ ایک بڑا جرم ثابت ہو، حقائق کو جس شوخی سے وہ بیان کرتے ہیں اس پر الحاد اور کفر کا قوی گمان کیا جا سکے۔ مدّعی خوش ہوں گے کہ اُن کا مطلب پورا ہوا، شیطان ہنسے گا کہ حق کی چھری حق کے گلے پر پھیری جا رہی ہے...... موحّد کا خون کبھی معاف نہیں

ہوتا...... سرمد کے قتل کا کفارہ کیا ہوگا.......
یا اللہ، رحم کر، رحم کر........!
(ملا ابوالقاسم کانپتے ہوئے ہاتھ دعا کے لئے اٹھاتے ہیں۔
اور پھر ہاتھوں سے اپنا منہ بند کر لیتے ہیں)
(پردہ)

چوتھا ایکٹ

عدالت کا ایوان۔ پیچھے کی طرف اونچی مسند پر اعتماد خاں عبدالقوی بیٹھا ہے اس کے پیچھے ایک سیاہ پردہ پڑا ہے۔ اعتماد خاں کے دونوں طرف ایک نیم دائرے کی شکل میں آٹھ علماء بیٹھے ہیں۔ اسٹیج کے بائیں طرف ملّا ابوالقاسم دکھائی دیتے ہیں۔ دائیں طرف سے شیخ سرمد آتے ہیں اور ان کے پیچھے دو سپاہی جوان زنجیروں کو پکڑے ہیں جن میں شیخ سرمد کے ہاتھ بندھے ہیں۔ ان کے داخل ہوتے ہی ملا ابوالقاسم دست بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں

ملّا ابو القاسم : السلام علیکم۔

(شیخ سرمد مسکرا کر کورنش بجا لاتے ہیں۔ مجمع دونوں کو بڑی حیرت سے دیکھتا ہے، اعتماد خاں کے تیور چڑھ جاتے ہیں۔ ملّا ابو القاسم شیخ سرمد کے جواب اور ان کے انداز سے گھبرا جاتے ہیں، مگر ہمت کر کے کھڑے رہتے ہیں۔ اعتماد خاں ان کی طرف غصّہ کی نظر ڈال کر علماء کی طرف متوجہ ہوتا ہے)

اعتماد خاں : حضرات علماء! ملزم آپ کے سامنے حاضر کردیا گیا ہے، اب آپ اجازت دیں تو میں مقدمہ کو مختصر بیان کر دوں۔ اِس شخص کا نام محمد سعید ہے، سرمد تخلص کرتا ہے۔ لوگوں کی روایت ہے کہ یہ شہر کاشان کا رہنے والا یہودی ہے۔ جو مسلمان ہو گیا اور تجارت کے لئے ہندوستان آیا۔ سندھ کے کسی شہر میں یہ ایک ہندو لڑکے پر عاشق ہو گیا اور اس کے بعد اس نے عریانی اختیار کر لی۔ سندھ سے یہ آوارہ گھومتا گھومتا شاہ جہاں آباد پہنچا، اور کئی سال سے جامع مسجد کے پاس پڑا رہتا ہے۔

یہ اپنے آپ کو دیوانہ اور مجذوب ظاہر کرتا ہے لیکن
یہ علوم دینی اور دنیوی میں خاصی دستگاہ رکھتا ہے۔
عربی، عبرانی اور فارسی جانتا ہے اور ہندوستان
میں اس نے سنسکرت بھی سیکھی ہے۔ یہ اپنے عقائد کی
تبلیغ کرتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بہت سے
لوگوں کو اپنا معتقد بنا کر انھیں گمراہ کر دیا ہے۔ جرم
کی تفصیل یہ ہے کہ یہ ایک بُت پرست کے لڑکے پر
عاشق ہو گیا، یہ ننگا رہتا ہے اگرچہ اسے ستر پوشی کے
لئے لباس مل سکتا ہے۔ یہ معراج جسمانی سے انکار
کرتا ہے، یہ کلمہ طیبہ پورا نہیں پڑھتا اور اس طرح
خدا اور رسول کا منکر ہے۔ بادشاہِ عالم اورنگ زیب
عالم گیر، خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہٗ کا فرمان ہے کہ آپ ان
الزامات کی تحقیق کر لیں اور اگر یہ ثابت ہو کہ الزامات
صحیح ہیں تو مناسب سزا تجویز فرمائیں۔

پہلا عالم: ملتِ اسلامی ہمیشہ شہنشاہ اورنگ زیب
عالم گیر کی دین پروری کی شکر گذار رہے گی کہ
ایسے شخص کو جس کی بدعتوں نے شہر میں تعفن پھیلایا

ہے مناسب سزا دینا تجویز کیا گیا ہے۔ میرے خیال میں ہم میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو ملزم کی گمراہی اور بد اعمالیوں سے واقف نہیں اور اس نے جو فتنہ پیدا کیا ہے اسے دُور کرنے کی ایک ہی تدبیر ہو سکتی ہے۔

دوسرا عالم: میں اِس رائے سے پُورا اتفاق کرتا ہوں کہ ایسے لوگوں کو جو انوکھے بھیس بنا کر اور نا قابلِ فہم باتیں کہہ کر عقائد میں کمزوری اور جماعت میں انتشار پیدا کرتے ہیں، علماءِ وقت کے سامنے پیش کرنا چاہیئے، ورنہ ان کا طریقہ راسخ ہو جائے گا اور لوگ سمجھیں گے کہ جو کچھ وہ کرتے ہیں صحیح اور جائز ہے ملزم کے اقوال اور اعمال کا جہاں تک مجھے علم ہے۔ اُس کی بناء پر میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر اس کے متعلق جلد کوئی فیصلہ نہ کیا گیا تو شرعی احکامات کی خلاف ورزی عام ہو سکتی ہے۔ میرے خیال میں ملزم سے سوال و جواب کے ذریعہ اس کے عقائد اور اعمال کی اصل حقیقت معلوم ہو سکتی ہے۔

اعتماخاں: اگر آپ اجازت دیں تو میں ملزم سے سوال کروں

ملّا ابوالقاسم: حضرات علماء، کو ناگوار نہ ہو تو میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں......... آپ حضرات کو معلوم ہے کہ صوفیوں کے دو فریق ہیں، سالک اور مجذوب۔ شیخ سرمد مجذوب ہیں۔ اُن کا قول اور عمل دل کی ایسی کیفیتوں کو ظاہر کرتا ہے جو کسی قانون یا علم سے نسبت نہیں رکھتی ہیں۔ ان کے عقائد سوال و جواب کے ذریعہ دریافت نہیں کئے جا سکتے، کیونکہ ان کے ہر جواب کا ایک ظاہری پہلو ہوگا جس پر غور کرکے ہم فیصلہ کریں گے اور ایک جوہر یا اصل مطلب، جو ہماری توجہ سے محروم رہے گا۔ اس لئے کہ ہم محتسب بن کر بیٹھے ہیں، علمِ معرفت کے طالب نہیں ہیں۔ میرے خیال میں ہمارا طریقِ کار بالکل غلط ہے اور ہمارا فیصلہ عدل پر مبنی نہ ہوگا۔

دوسرا عالم: کیوں نہ ہوگا؟ اسلام میں سالک اور مجذوب اور عام مسلمان کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ سب یکساں شرعی قانون کے ماتحت ہیں۔

اعتماد خاں: (ملّا ابوالقاسم سے مخاطب ہو کر) پھر آپ کیا تجویز فرماتے ہیں؟

ملا ابولقاسم: عالم کے تصورات کو دوسرے علماء جانچ سکتے ہیں، سالک کی ہدایت اور تنبیہ دوسرے سالک کر سکتے ہیں، شیخ سرمد کے قول اور فعل کی تہ تک وہی پہنچ سکتا ہے جو خود مجذوب ہو۔ ہم جو رائے قائم کریں گے وہ یقیناً غلط ہو گی۔

پہلا عالم: سبحان اللہ، کیا اِستدلال ہے؟ مجرم کے معاملے کو وہی سمجھ سکتا ہے جو خود مجرم ہو۔

اعتماد خاں: میرے خیال میں ہم سب اِس رائے سے اتفاق کریں گے کہ مجذوب کا حال مجذوب ہی جان سکتا ہے، عریانی کی کیفیت اسی کو معلوم ہو سکتی ہے جس نے حیا اور غیرت کا جامہ اُتار دیا ہو۔ لیکن اس ملزم کے خلاف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دراصل مجذوب نہیں ہے، مجذوب بنا ہوا ہے۔ اِس نے شاہجہاں آباد پہونچنے کے تھوڑے ہی دن بعد دربارِ شاہی میں رسوخ پیدا کیا اور دارا شکوہ کو دین اور شریعت کی مخالفت

ہندوؤں کی مذہبی کتاب - وید چار وید

پر آمادہ کیا۔ مجذوب سیاست میں دخل نہیں دیتے،
بید پنتھوں اور باغیوں کو کامیابی کی دعائیں نہیں دیتے کافر
ملزم حقیقت میں مجذوب ہوتا تو اس کے معاملے میں
کوئی دخل نہ دیتا۔

ملا ابوالقاسم: فردِ جرم کی جو تفصیل ابھی دی گئی ہے اس
میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اگر شیخ سرمد کا قصور یہ
ہے کہ انھوں نے باغیوں سے ہمدردی کی تو انھیں
دوسری قسم کی عدالت میں پیش کرنا چاہیے۔ ہم اس
بارے میں رائے دینے کے اہل نہیں ہیں۔

شیخ سرمد: (ملا ابوالقاسم کی طرف دیکھ کر) راضی دلِ دیوانہ
بہ تقدیر نشد!

اعتماد خاں: بادشاہِ عالم کی خواہش ہے کہ باغی اور غدّار
تصوّف کو بدنام نہ کرسکیں۔ اگر اس مجلس نے فیصلہ
کیا کہ ملزم حقیقت میں صوفی ہے تو بادشاہِ عالم اس
کے جرم سے درگذر کر سکتے ہیں۔ اگر ہم کو یقین
ہوگیا کہ وہ صوفی نہیں ہیں بلکہ اس آزادی سے
جو صوفیوں کا حق مانی جاتی ہے فائدہ اٹھا کر بیدینی

پھیلانا چاہتا ہے تو وہ کسی لحاظ اور مروت کا مستحق نہ ہوگا۔ میرے خیال میں اب اِس بحث کو ختم کر کے ملزم کی طرف رجوع کرنا چاہیئے...... ملزم، تمہارا نام محمد سعید اور تخلص سرمد ہے؟

شیخ سرمد: عبد القوی، اگر تم کو اِس کا بھی یقین نہیں تو مجھ کو یہاں پکڑ کر کیوں لائے ہو؟

اعتماد خاں: ہم کو اچھی طرح سے معلوم ہے کہ تم کون ہو، یہ سوال صرف اِس لئے کیا جا رہا ہے کہ قانون میں اِس کی تاکید کی گئی ہے...... کیا یہ صحیح ہے کہ تم کاشان کے رہنے والے ہو، یہودی ماں باپ کی اولاد ہو اور بعد کو مسلمان ہو گئے؟

شیخ سرمد: تم کو یہ بھی معلوم ہوگا۔

اعتماد خاں: ہاں، ہم کو معلوم ہے، اور چونکہ تم اِس کی تردید نہیں کرتے، ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری معلومات معتبر ہیں...... اب تم سے یہ دریافت کرنا ہے۔ کہ کیا تم سندھ کے شہر ٹھٹھ میں ابھے چند نامی ایک ہندو لڑکے پر عاشق ہو گئے تھے؟

شیخ سرمد: (کسی خیال میں)

سرمد در دیں عجب شکستے کردی — ایماں بفدائے چشم مستے کردی
باعجز و نیاز جملہ نقد خود را — رفتی و نثار بت پرستے کردی

اعتماد خاں: اسی زمانے سے تم نے برہنگی اختیار کی۔ اب ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اِس کی وجہ کیا تھی؟

شیخ سرمد: عبد القوی، میں کیا کرتا؟ شیطان قوی ہے۔

خوش بالائے کردہ چنیں پست مرا — چشمے بدو جام بردہ از دست مرا
او در بغل من است و من در طلبش — دزدے عجبے برہنہ کردست مرا

پہلا عالم: یہ کیا بادہ گوئی ہے؟ توبہ، توبہ، استغفر اللہ۔

اعتماد خاں: ملزم! اِدھر اُدھر کی باتیں مت کرو۔ سوال کا ٹھیک جواب دو۔

شیخ سرمد: ٹھیک جواب دوں؟

آں کس کہ ترا تاجِ جہاں بانی داد — مارا ہمہ اسبابِ پریشانی داد
پوشاند لباس ہر کرا عیبے دید — بے عیباں را لباسِ عریانی داد

اعتماد خاں: یہ جواب فی البدیہہ نظم میں ہے۔ شاید مولانا ابوالقاسم اِس کا مطلب نثر میں سمجھا سکیں گے؟

× خدا اپنے بندوں کی عیب پوشی کرتا ہے اور خدا کے نیک بندوں کو بھی ظاہر کرتا

ملّا ابوالقاسم: اِس کا مطلب یہ ہے کہ مجذوب کو ستانا نہیں چاہیئے۔

پہلا عالم: کیا آپ کا منشا یہ ہے کہ مجذوب شرع اور اخلاق کا پابند نہیں؟

ملّا ابوالقاسم: ہم اُس کی پابندی اور آزادی کی حدود مقرر نہیں کر سکتے۔

پہلا عالم: چاہے وہ کِسی بہت ہی مکروہ اور مخرب اخلاق بدعت کا مرتکب ہو؟

ملّا ابوالقاسم: مجذوب کا قول اور عمل سند نہیں ہوا کرتا۔ اُس کے طریقے کو بدعت کہنا اِس لفظ کا صحیح استعمال نہیں ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ مجذوب کے اصل مطلب کو معلوم کریں اور اُسے اپنی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ شیخ سرمد کئی سال سے شاہ جہاں آباد میں رہتے ہیں، بہت سے لوگ اُن کا احترام کرتے ہیں، اُن کی وضع کی تقلید کسی نے نہیں کی ہے۔

اعتماد خاں: میں نے آپ سے جو سوال کیا تھا اُس کی غرض یہ تھی کہ آپ ملزم کی برہنگی کا اصل مطلب واضح کردیں،

تاکہ ہمیں فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔ اگر آپ ثابت کر دیں کہ ملزم کی بدعت ہماری شریعت سے بہتر ہے تو ہم ملزم کی مثال کو اپنی اصلاح کا ذریعہ بنائیں گے، اگر ہم اِس نتیجے پر پہنچے کہ ملزم کی بدعت کا مقصد اِسلامی اخلاق کی بیخ کنی ہے تو ہم اُسے وہ سزا دیں گے جو اِسلام اور اعلیٰ اخلاق کے دشمنوں کے لئے مقرر ہے۔

ملا ابوالقاسم: میں نے اپنا مطلب جہاں تک کہ بیان ہو سکتا ہے بیان کر دیا ہے۔ اِس سے زیادہ وضاحت کرنے سے مطلب خبط ہو جائے گا۔

اعتماد خاں: میرا خیال تھا کہ آپ ہم جیسے ناقص العقل لوگوں کو فلسفے اور اخلاق کی باریکیاں سمجھائیں گے، تاکہ ہم ایک خدا رسیدہ مجذوب کے بارے میں غلط فیصلہ نہ کریں۔ لیکن کوئی تعجب نہیں کہ آپ اِس منصب سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے۔ آپ کے پیر و مرشد نے برہنہ رہنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ نعوذ باللہ وہ ذات باری کی طرح بے عیب ہیں۔ آپ اِس دعوے کی وضاحت کیا کر سکتے ہیں...... بہر حال، آپ کے بیان سے

معاملے کی اصل نوعیت ظاہر ہو گئی ہے۔ ملزم کوئی جاہل یا دیوانہ نہیں ہے، اس کا عمل مجذوبوں کا سا ہے، اگر وہ عالم اور فلسفی ہونے کی شہرت رکھتا ہے۔ ہم اس کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ داراشکوہ کو گمراہ کرنے کا وہ کس حد تک ذمّہ دار ہے، آپ نے ایک ثبوت فراہم کر دیا ہے کہ ایسے لوگ بھی اُس کے معتقد ہیں جن کا کام نوجوانوں کی اخلاقی تربیت ہے۔ میرے نزدیک تو ایسی مثالوں کو صفحۂ ہستی سے جس قدر جلد مٹا دیا جائے بہتر ہے۔

دوسرا عالم: نہیں، اِس الزام پر تو اُسے قتل کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ مگر اُس کے سرِ بازار دُرّے مارنا چاہئے جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے، اور اپنے طریقے کو نہ چھوڑے۔

تیسرا عالم: بے شک یہی مناسب ہو گا۔

اعتماد خاں۔ جو رُسوائی چاہتا ہے، اُس کی اصلاح اِس طرح نہیں کی جا سکتی کہ ہم اسے اور رُسوا کریں۔ ...... مگر ہمیں سزا تو اس وقت تجویز کرنا چاہئے

جب ہم پورا مقدمہ سُن لیں۔ ملزم کے خلاف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ معراجِ جسمانی کا منکر ہے۔ ملزم، تم اِس بارے میں کیا کہتے ہو؟

شیخ سرمد: وہی کہتا ہوں، جو پہلے کہا تھا۔

ملّا گوید کہ بر فلک شد احمد   سرمد گوید فلک بہ احمد در شد

پہلا عالم: یہ صریح کفر ہے۔

تیسرا عالم: بے شک یہ عقیدہ غلط ہے، مگر کفر نہیں ہے۔

دوسرا عالم: مگر اُسے توبہ کرنے کا حکم تو دیا جا سکتا ہے، اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو......؟

شیخ سرمد: تم جہالت سے توبہ کرو، میں علم سے توبہ کرلونگا

اعتماد خاں: ہمیں اپنی جہالت کا اِعتراف ہے، تم نے اپنے علم کا بھی دعوٰی کر دیا۔ ملّا ابوالقاسم کو البتہ افسوس ہوگا کہ انھوں نے تمھاری صفائی میں جو کچھ بیان کیا تھا وہ غلط ثابت ہو رہا ہے۔ تو یہ الزام صحیح ہے کہ تم معراجِ بدنی کے منکر ہو؟

شیخ سرمد: میں ہر ناقص خیال کا منکر ہوں۔

اعتماد خاں: یعنی معراجِ بدنی کا عقیدہ، جس پر تمام مستند

علماء متفق ہیں، تمھاری رائے میں محض ایک ناقص خیال ہے؟

شیخ سرمد: میری رائے میں ہر خیال ناقص، ہر وجود ناقص ہے۔

اعتماد خاں: حضرات علماء اس رائے کے نتائج پر غور فرمائیں

ملا ابوالقاسم: اور یہ فیصلہ کریں کہ ایسی بدیہی بات کہنے والے کو ضرور کوئی سزا دینا چاہیئے۔

(اعتماد خاں جھلا کر کوئی جواب دینا چاہتا ہے، کہ اُس کے پیچھے پردہ ہٹتا ہے اور ایک شخص آکر اُس کے کان میں کچھ کہتا ہے)

شیخ سرمد:۔ عبدالقوی! پردے کے پیچھے جو حکم دینے والا بیٹھا ہے اس سے کہدو کہ میں بھی اس سے متفق ہوں۔ اب قصہ جلد ختم ہو جانا چاہیئے۔ (ٹھنڈی سانس لے کر) سرمد، اگر او خدا ست خود می آید......

(علماء سب چونک پڑتے ہیں۔ اعتماد خاں کچھ گھبرا جاتا ہے)

اعتماد خاں، دنیا میں ہمارے لئے صرف ایک حکم دینے والا ہے جس کی ہم سب فرماں برداری کرتے ہیں۔ تم اُس

کی عدالت میں پیش کئے گئے ہو، جس کے ابدی قوانین
کی تم نے خلاف ورزی کی ہے۔ علماء کی جماعت ایسی
جماعت نہیں ہے جو وقتی حالات سے اثر لے، ہماری
رائے اور ہمارے فتوے اس دین کے مطابق ہوتے
ہیں جو قیامت تک ہدایت کا سرچشمہ اور زندگی کی اساس
رہے گا۔ ہم تم سے بحث نہیں کرنا چاہتے، تم نے جو
قانون شکنی کی ہے اُس کی تم سے تصدیق کرانا چاہتے
ہیں۔ تم پر اب تک جو الزامات لگائے گئے ہیں ان کو
تم نے صحیح تسلیم کر لیا ہے، بس ایک معاملہ ہے جس میں
تحقیق کرنا باقی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے کہ تم کلمۂ طیبہ پڑھنے
سے انکار کرتے ہو؟

(شیخ سرمد کوئی جواب نہیں دیتے، معلوم ہوتا ہے نشے میں
جھوم رہے ہیں)

اعتماد خاں: کیوں، تم جواب کیوں نہیں دیتے؟

پہلا عالم: (جوش کے ساتھ) ملزم، تم سے کلمہ پڑھنے کو کہا گیا ہے۔

دوسرا عالم: کلمہ پڑھو، کلمہ!

شیخ سرمد: (کچھ دیر خاموش رہتے ہیں، پھر سر اٹھا کر کہتے ہیں)

لا الٰہ۔

خاموشی۔ (علما سب منتظر معلوم ہوتے ہیں)

پہلا عالم: یہ تو کلمۂ طیبہ نہیں ہے، صرف اس کے پہلے دو لفظ ہیں۔ پورا کلمہ پڑھو!

خاموشی!

پہلا عالم: کیوں، پورا کلمہ کیوں نہیں پڑھتے؟

شیخ سرمد: میں ابھی نفی کی منزل سے نہیں گزرا ہوں۔ پورا کلمہ کیسے پڑھوں؟

دوسرا عالم: یہ نفی کی منزل کیا بلا ہے؟ کلمۂ طیبہ کو پڑھنے نہ پڑھنے سے اس کو کیا مطلب؟

ملا ابوالقاسم: شیخ سرمد کا منشا یہ ظاہر کرنا ہے کہ کلمہ طیبہ پڑھنا ایمان لانے کی نشانی ہے۔ ایمان کے لئے صداقت شرط ہے، اور یہ صداقت رسمی طور پر کلمہ پڑھ لینے سے پیدا نہیں ہوتی۔

اعتماد خاں: اور ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ خود کلمہ پڑھنے سے انکار کرتے ہیں اور دوسروں کو انکار کرنے کی ترغیب دلاتے ہیں۔

ملا ابوالقاسم: ہم کو شیخ سرمد کی فردِ جرم سنائی گئی تھی تو اُس میں بیان کیا گیا تھا کہ ان کا نام محمد سعید ہے اور لوگوں کی روایت ہے کہ یہ کاشان کے یہودی ہیں جو مسلمان ہوگئے۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو یہ کلمہ پڑھ چکے ہیں اور اِس وقت اُن کا یہ فرمانا کہ وہ نفی کی منزل سے نہیں گزرے ہیں، صرف لوگوں کو اِس کی دعوت دینا ہے کہ وہ بھی اپنے خلوص اور صداقت کو جانچیں اگر یہ روایت صحیح نہیں ہے کہ شیخ سرمد مسلمان ہیں، تو ہمیں اس پر غور کرنا چاہیئے کہ ہم ان کا مقدمہ سننے کے مجاز ہیں یا نہیں۔

اعتماد خاں: ملزم، تمہارا اس بارے میں کیا بیان ہے؟

شیخ سرمد: لا الٰہ۔

اعتماد خاں: یہ کوئی جواب نہیں ہے۔

شیخ سرمد: میں اس سے زیادہ کچھ کہوں گا تو جھوٹ ہو گا۔

اعتماد خاں: گویا پورا کلمہ پڑھنا جھوٹ ہو گا؟

(شیخ سرمد کوئی جواب نہیں دیتے)

پہلا عالم: بس، اب ہم کافی سن چکے۔ میری رائے میں ملزم

سے ایک مرتبہ اور کلمہ پڑھنے کو کہا جائے۔ اگر وہ انکار کرے تو وہ واجب القتل ہے۔

کئی عالم: بے شک، اگر وہ پھر انکار کرے تو واجب القتل ہے۔

اعتماد خاں، ملزم، تم سے ایک مرتبہ اور کہا جاتا ہے۔ کلمہ پڑھو۔

شیخ سرمد: (ملا ابوالقاسم سے)، بتاؤ ملا، جب سچ بولے سے پیا ملے تو سچ بولوں کہ جھوٹ؟

(ملا ابوالقاسم، سر جھکائے کھڑے رہتے ہیں، کوئی جواب نہیں دیتے)

اعتماد خاں: ملزم، تم سے جو سوال کیا گیا تھا اس کا جواب دو

شیخ سرمد: لا الٰہ۔

پہلا عالم: ملزم واجب القتل ہے۔

کئی عالم: بے شک واجب القتل ہے۔

اعتماد خاں: ملزم، ہم نے ان تمام الزامات پر غور کیا ہے۔ جو تم پر لگائے گئے ہیں۔ تم اپنے آپ کو کسی الزام سے بری نہیں کر سکے ہو۔ تمھارا سب سے بڑا جرم یہ ہے

کہ تم کلمہ پڑھنے سے انکار کرتے ہو، اور ہماری رائے میں اِس بنا پر تم واجب القتل ہو۔ (علما کی طرف دیکھ کر) میری رائے میں ہم سب اِس فیصلے پر متفق ہیں۔

(تمام علما سر ہلاتے ہیں)

ملا ابوالقاسم: حضرات علما، میں آپ سے پھر درخواست کروں گا کہ ذرا تامل فرمائیں۔ شیخ سرمد ایک مرنجاں مرنج آدمی ہیں۔ ان کے عمل میں جو بدعتیں نظر آتی ہیں ان کے مرتکب بہت سے مجذوب ہیں جن کی کوئی گرفت نہیں کی جاتی ہے، اور مناسب بھی یہی ہے کہ ہم انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ میں اِس سے اِنکار نہیں کرتا کہ شیخ سرمد کے عقائد اور اقوال سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ راسخ العقیدہ ہیں، مگر وہ کسی کو چھیڑتے یا جھٹلاتے نہیں ہیں اور ان سے کسی قسم کے فتنے کا اندیشہ نہیں ہے۔ وہ صرف بعض حقائق کو اِس طرح بیان کرتے ہیں کہ ملت کے لوگ اپنے عقائد اور اعمال پر غور کریں اور اُن

کی عقل اخلاقی اور دینی مسائل پر حادی ، اُن کا باطن صاف اور عقیدہ پختہ ہو۔ میں ڈرتا ہوں کہ ہم نے شیخ سرہندی کے معاملے پر جس صورت سے غور کیا ہے اور جس نتیجہ پر پہنچے ہیں اس پر شبہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارا مقصد دین کی خدمت کرنا نہ تھا ، بلکہ سیاست میں یکسوئی پیدا کرنا۔ یہ مقصد ایسا نہیں ہے کہ جس کی خاطر دینی احتساب کے فریضہ کو بدنام کیا جائے ہم جو فیصلہ کریں گے اس سے ایک نظیر قائم ہو جائے گی ، اور اس سے بہت سے بے گناہوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

اعتماد خاں : حضرات علما اس نکتہ پر غور فرما لیں۔ ملا ابوالقاسم کی رائے معلوم ہوتی ہے کہ ہم بادشاہ عالم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایک بے گناہ پر ظلم کر رہے ہیں۔

کئی عالم : یہ ایک صریح تہمت ہے۔ ہم نے کوئی بات عدل و انصاف کے خلاف نہیں کی ہے۔ جو شخص مسلمان ہو اور کلمہ پڑھنے سے انکار کرے وہ واجب القتل ہے ہم اس کے لئے ہزارہا سندیں پیش کر سکتے ہیں۔

اعتماد خاں: میرے خیال میں اب حضرات علما کی رائے لی جا سکتی ہے۔ میں فیصلہ لکھ لیتا ہوں۔ جو حضرات اِس سے متفق ہوں وہ اِس پر دستخط فرما دیں۔ جو اِس سے اِتفاق نہ کرتے ہوں وہ اپنی رائے درج فرما دیں۔

(اعتماد خاں ایک کاغذ پر جلد جلد کچھ لکھتا ہے، اور اِس کے بعد کاغذ اُس عالم کو جو اُس کی دائیں طرف بیٹھا ہے، دیدیتا ہے۔ اس طرف جتنے عالم بیٹھے ہیں وہ اس پر دستخط کر دیتے ہیں۔ آخر میں کاغذ مُلّا ابوالقاسم کو دیا جاتا ہے۔ وہ اسے لینے سے اِنکار کرتے ہیں۔)

ملا ابوالقاسم: مجھے جناب صدر الصدور اور محتسبِ شاہی اعتماد خاں عبدالقوی نے جب فرمانِ شاہی دکھایا تھا اور علما کی اِس مجلس میں شریک ہونے کا حکم دیا تھا اُسی وقت میں نے عرض کیا تھا کہ میں اس مجلس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ جناب صدر الصدور نے فرمایا کہ اگر اتنی ہمت ہو تو عدالت میں آجاؤ

اور شیخ سرمد کی حمایت کرو، اس لئے میں حاضر ہو گیا مجھے اس عدالت کی کارروائی میں شریک نہ سمجھا جائے۔ میں فیصلہ کے متعلق کوئی رائے بھی نہیں لکھونگا اس لئے کہ میں اس عدالت کو اس معاملے پر غور کرنے اور فیصلہ صادر کرنے کا مجاز نہیں سمجھتا۔

اعتماد خاں: اگر آپ میں ہمت ہو تو یہ سب بھی کاغذ پر لکھ دیجئے۔

ملّا ابو القاسم: آپ جہاں اس کاغذ کو پیش کریں وہاں میرے اعتراض کو بھی بیان فرما دیجئے گا۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں ہر سزا کے لئے تیار ہوں۔ میں نے جو کچھ یہاں عرض کیا ہے وہ حضرات علما نے سُن لیا ہے اور وہ اس کی شہادت دے سکیں گے۔ میں کاغذ پر کچھ نہ لکھوں تو آپ کو میرا معاملہ پیش کرتے وقت زیادہ آزادی رہے گی۔

اعتماد خاں: (غصہ میں) بہت مناسب ہے۔ کاغذ دوسری طرف دیدیجئے۔

ملّا ابو القاسم: میں اس کاغذ کو ہاتھ لگانا نہیں چاہتا!

(اعتماد خاں اشارہ کرتا ہوا اُس کی دائیں طرف کے عالم کاغذ کو دست بدست اُسے واپس کر دیتے ہیں اور وہ اُسے بائیں طرف کے علما کو دیتا ہے۔ وہ یکے بعد دیگرے اس پر دستخط کرتے ہیں، اور پھر وہ اعتماد خاں کو واپس دیدیا جاتا ہے۔ اعتماد خاں اُسے دیکھ کر ایک کپڑے میں لپیٹ لیتا ہے)

اعتماد خاں: (ایک سپاہی کو مخاطب کر کے) داروغہ ملزم کو قید خانہ واپس لے جاؤ اور حکم کے منتظر رہو۔

(شیخ سرمد جانے کے لئے مُڑتے ہیں تو اُن کے چہرے سے اِنتہائی مسرت ظاہر ہوتی ہے اور وہ ملا ابوالقاسم کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہیں۔ ملا ابوالقاسم اُن کی طرف بڑھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اُن کے قدموں پر گر پڑیں، مگر ایک سپاہی اُن کے سامنے آجاتا ہے۔ وہ بے بسی کے عالم میں گھٹنوں پر سر رکھ کر بیٹھ جاتے ہیں)

شیخ سرمد: ملا، یاد رکھو۔ عاشق وہی ہوتا ہے جو معشوق کی ہر ادا پر جان دے۔

(سپاہی شیخ سرمد کو باہر لے جاتے ہیں)

اعتماد خاں: حضرات علما، اب ہمارا کام ختم ہو گیا۔ میں بادشاہِ عالم کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ملّتِ اِسلامی کو کفر نما بدعتوں سے پاک کرنے میں اِعانت فرمائی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ دربار میں حاضر ہوں گے تو بادشاہِ عالم اپنی زبان مبارک سے آپ کی حق پرستی کی تعریف فرمائیں گے اور مناسب الطاف واکرام سے سرفراز فرمائیں گے

(علما ایک ایک کرکے باہر چلے جاتے ہیں، ان کے جانے کے بعد اعتماد خاں اپنی جگہ سے اٹھ کر ملا ابو القاسم کی طرف آتا ہے۔ ایک بارگی پیچھے سے آواز آتی ہے۔ "با ادب، باملاحظہ ہوشیار!" اور اورنگ زیب اس طرف سے آتا ہے جہاں پردہ لٹکا ہے۔ اعتماد خاں گھبرا کر اس کی طرف دیکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ کورنش بجا لائے، مگر اورنگ زیب اُسے اشارہ کرتا ہے کہ باہر چلے جاؤ۔ وہ بادشاہ کی طرف جھک کر اُلٹے قدموں باہر جاتا ہے)

(اورنگ زیب کچھ دیر کھڑا ملا ابوالقاسم کو دیکھتا رہتا ہے)

اورنگ زیب: ملّا، ہوش میں آؤ، اب تماشا ختم ہو گیا۔

(ملا ابوالقاسم آہستہ آہستہ سر اٹھاتے ہیں اور منہ پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ اُن کے ہاتھ کانپ رہے ہیں، مگر خوف سے نہیں۔ وہ اورنگ زیب کی طرف دیکھتے ہیں اور تعظیم کے خیال سے کھڑے ہونا چاہتے ہیں مگر کھڑے نہیں ہو پاتے)

ملا ابوالقاسم: تماشا ختم نہیں ہوا، ابھی صرف اُس کی خبر آئی ہے۔ تماشا اس وقت شروع ہو گا جب موحّد کا خون رنگ لائے گا۔ تب نہ علما کا علم کام آئے گا نہ بادشاہ کی تلوار۔

اورنگ زیب: میں نے کہا ہے ہوش میں آؤ۔ ایک مجذوب کافی دردِ سر پیدا کر چکا ہے۔

(ملا ابوالقاسم سر جھکا لیتے ہیں اور کوئی جواب نہیں دیتے)

اورنگ زیب: تمھارے جیسے عالم کے شایانِ شان نہیں کہ وہ بازار کی افواہوں اور جاہلوں کی بے سروپا باتوں پر اعتبار کرے اور ملّت کی اعلیٰ مصلحتوں کو نظر انداز

کرے۔ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہمیں شریعت اور طریقت کا علم نہیں، اور ہم حق اور باطل میں تمیز نہیں کرسکتے؟ کیا موحد وہی ہے جو ننگا پھرے اور بادشاہ عادل وہی ہے جو مجذوبوں اور خبطیوں کے قدموں پر گرے؟ سرمد کے معاملے میں تم نے جو کچھ کہا ہے وہ مجھے شروع سے آخر تک سب معلوم ہے۔ مجھے بہت صدمہ ہے کہ تمہارا جیسا صاحب دل اور حق پرست عالم میرے خلاف ہے اور جتنے زمانہ ساز علما ہیں وہ میرے اشاروں پر چلتے ہیں۔ اب تک جو کچھ ہو چکا ہے اُس سے میں درگذر کرتا ہوں، مگر اب تمھیں چاہیے کہ ملّت اور حکومت کی خدمت کا حق ادا کرو۔

ملّا ابوالقاسم: آپ کی خواہش ہے کہ میں خدمت کا حق ادا کروں تو حکم دیجیے کہ شیخ سرمد سے پہلے میری گردن ماری جائے۔

اورنگ زیب: میں مجذوب کی بڑ سننا نہیں چاہتا۔ تم سے کہہ چکا ہوں کہ ہوش میں آؤ اور دین اور حکومت

کے معاملات کو سمجھو...... یہ سمجھو کہ اگر ملت اور حکومت کے لئے ضروری نہ ہوتا کہ میں تاج و تخت حاصل کروں تو میں کبھی خانہ جنگی کو گوارا نہ کرتا۔ اگر میں یہ نہ جانتا ہوتا کہ دارا کو قتل کئے بغیر فساد دور نہیں کیا جا سکتا تو میں ہرگز اُسے قتل نہ کراتا۔ ممکن ہے شیخ سرمد ویسے ہی بزرگ اور موحد ہوں جیسے کہ تم انھیں مانتے ہو، مگر میں انھیں اس کی اجازت کیسے دے سکتا تھا کہ وہ میری رعایا کو میرے خلاف برانگیختہ کریں اور اُس کے دل میں میری عزت نہ رہے اگر یہ مصلحتیں اس وقت تمھاری سمجھ میں نہیں آتی ہیں تو تمھیں صبر کرنا چاہیئے اور اس کی کوشش کرنا چاہیئے کہ جو مقاصد اِن کی پشت پر ہیں وہ حاصل ہو جائیں۔

ملّا ابوالقاسم: میں یہ کیسے مان لوں کہ جسے حکومت کا اختیار مِل جائے وہ عالمِ غیب ہو جاتا ہے، جس کے ہاتھ میں تلوار ہو، وہ منصفِ ازلی بن سکتا ہے۔ ملتِ اسلامی کی اساس اور اُس کی نشانی اخوت ہے، حاکموں کی مصلحت نہیں۔

باہمی محبت۔ ایثار

اورنگ زیب : یہ باتیں سب تم نے کتابوں میں پڑھی ہیں، دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اس کی تمھیں خبر نہیں۔ لیکن اگر تم سمجھتے ہو کہ خانہ جنگی کا سبب میری الوالعزمی تھی، میں نے صرف بادشاہ بننے کی خاطر اپنے مسلمان بھائیوں کا خون بہایا ہے اور میری حکومت کامیاب ہوئی تب بھی کہا جائے گا کہ باطل نے حق پر فتح پائی تو لو، یہ تلوار لو، اور ظلم اور استبداد کی جڑ کاٹ دو (تلوار میان سے نکال کر ملا ابوالقاسم کے آگے پھینک دیتا ہے)

ملا ابوالقاسم ساکت بیٹھے رہتے ہیں۔

اورنگ زیب : اگر تم میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ مجھے قتل کرو، تو میرے ساتھ میدان میں آؤ، فتنوں کو قابو میں کرو، نادانوں کو مصلحت کے راز سمجھاؤ، استعداد والوں کو اتحاد اور خدمت پر آمادہ رکھو۔ حق صرف کتابوں میں نہیں ہے سیاسی قوت میں بھی ہے، جس کے بغیر ملت اسلامی غالب نہیں رہ سکتی ....

(اورنگ زیب جواب کا منتظر معلوم ہوتا ہے۔ مُلّا ابو القاسم کوئی جواب نہیں دیتے)

اورنگ زیب: میں دیکھتا ہوں کہ اپنے جیسے اور عالموں کی طرح تم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے، اور زندگی تمھارے فیصلوں کا پہلے انتظار کر سکتی تھی نہ اب کر سکتی ہے.... تم جہاں اور سب سوچتے ہو وہاں اس پر بھی غور کرو کہ تمھاری اس لیت ولعل سے کتنا نقصان پہنچتا ہے، اور ایسے لوگ موجود نہ ہوں جو جلد فیصلہ کرکے غلطیوں کی ساری ذمہ داری اپنے اوپر لے لیں تو ملت کا کیا حشر ہو گا...... بس، اب میں اور انتظار نہیں کر سکتا۔ اب اٹھو، اور یا تو مجھے قتل کر دو یا میری تلوار مجھے واپس دو، کہ میں اپنا کام کر سکوں۔ مجھے سب کچھ گوارا ہے، مگر تمھاری جیسی عاجزی اور بے بسی گوارا نہیں۔

(مُلّا ابو القاسم کوئی جواب نہیں دیتے۔ اورنگ زیب کچھ دیر منتظر رہتا ہے، پھر کسی قدر حقارت کے ساتھ مسکرا کر اور "دیوانہ" کہہ کر آہستہ آہستہ اسی دروازے

سے باہر چلا جاتا ہے جس سے داخل ہوا تھا۔ تلوار ملّا ابوالقاسم کے سامنے پڑی رہتی ہے)

(پردہ)

پانچواں ایکٹ

ملا ابوالقاسم کا مدرسہ۔ لطف اللہ، حفظ الرحمٰن
سعید الدین اور چار اور نوجوان خاموش سر جھکائے
بیٹھے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ملا ابوالقاسم آہستہ
آہستہ اندر آتے ہیں۔ وہ ایک ہاتھ سے لکڑی
کا سہارا لیتے ہیں، دوسرا ابراہیم بدخشانی
کے کندھے پر ہے۔ بہت کمزور اور نڈھال
معلوم ہوتے ہیں۔ طالب علم انھیں دیکھ کر کھڑے
ہو جاتے ہیں اور " السلام علیکم " کہتے ہیں۔

ملا ابوالقاسم: (کمرے کے بیچ میں پہنچ کر) تم لوگ یہاں کیوں
ہو؟ اپنے گھروں کو کیوں نہیں گئے؟

لطف اللہ: ہمارا مقام آپ کے قدموں پر ہے۔

(ملا ابو القاسم جہاں کھڑے ہیں وہیں بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک طالب علم گاؤ تکیہ لا کر ان کے پیچھے رکھ دیتا ہے)

خاموشی۔

ملا ابو القاسم: اچھا، پھر آؤ، سب مجھے گھیر کر بیٹھ جاؤ، میں اپنی عمر میں کبھی اتنا عاجز اور بے بس نہ تھا......... شیخ سرمد کی گردن تعصب کی تلوار کے نیچے تھی، میں اُنھیں بچا نہ سکا، سیاست کی تلوار میرے سامنے چمکی، میں اس سے نظر نہ ملا سکا....... اب مجھ میں جان نہیں رہی......... دل کو سردی لگ رہی ہے.... کیا کروں گا، کیسے جیوں گا؟

خاموشی۔

لطف اللہ: مگر مولانا: آپ تو جانتے تھے کہ کیا ہونے والا ہے۔

ملّا ابو القاسم: ہاں، اور یہ بھی جانتا تھا کہ میں کچھ نہ کرسکوں گا۔ پھر بھی صدمہ بہت ہوا......... ایک پرند جو دوسرے کو آزاد کرنا چاہتا ہے اس سے زیادہ کیا کرسکتا ہے

کہ جال میں اپنی گردن بھی پھنسا دے۔ صیاد کی نظرِ انتخاب کو کیا کروں، ایک کو پکڑا، ایک کو چھوڑ دیا۔ اب میں تڑپ رہا ہوں اور اپنی آزادی کو رو رہا ہوں۔

خاموشی۔

سعید الدین: مولانا، جب سے خانہ جنگی شروع ہوئی، آپ فرماتے رہے کہ اب بڑی سخت آزمائش کا وقت آگیا ہے۔ جب شاہ جہاں آباد میں فرقہ بندی شروع ہوئی تو آپ انتہائی ہمت اور استقلال کے ساتھ فرقہ بندی کی مخالفت کرتے رہے۔ لڑائی ختم ہوئی تو آپ اُس تعصب اور تنگ دلی کی مذمت کرتے رہے جو خانہ جنگی نے پیدا کی تھی۔ آج آپ نے عدالت میں شیخ سرمد کی حمایت کی، اگرچہ آپ کو معلوم تھا کہ بادشاہ عالم نے شیخ سرمد کو قتل کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ میرے خیال میں آپ نے جہاد کا حق پورا پورا ادا کردیا ہے۔ کامیابی تو بہر حال خدا کے ہاتھ میں ہے۔

ملا ابوالقاسم: اِس طرح تسلّی دینے سے دل بہت چھوٹا

ہو جاتا ہے۔ جہاد کا حق ادا کرنے کے لئے بہت بڑا دل چاہیئے، جیسے کہ شیخ سرمد کا ہے۔

حفظ الرحمن: مگر شیخ سرمد پر تو اُن کے مخالف یہ اِلزام لگاتے ہیں کہ خانہ جنگی میں وہ ایک فریق کے طرفدار ہو گئے۔

ملا ابوالقاسم: شیخ سرمد کا دل اِتنا بڑا ہے کہ وہ اپنے اوپر اِلزام بھی لے سکتے ہیں۔ وہ ایسے موحد ہیں کہ کلمہ پڑھنے سے اِنکار کر سکتے ہیں۔ ہم اُس منزل سے بہت دور ہیں۔ ہمیں تقدیر پر بھروسا نہیں ہے، ہم چاہتے ہیں کہ ہم سے کوئی غلطی نہ ہو، ہماری تدبیریں سلامت روی کی پابند، ہمارے دل مصلحتوں میں گرفتار ہیں۔ اِس وقت میں سوچ رہا ہوں کہ ملت اِسلامی میں ایک نئی وحدت پیدا کرنا بہت بڑا کام ہے، میں اِس کام کو انجام دینے کا اہل نہیں ہوں اور میرے پاس وسائل بھی نہیں ہیں۔ شیخ سرمد نے نئی زندگی کی تعمیر کے لئے مسالا فراہم کر دیا ہے ہم بنانا چاہیں تو اِس سے بہت کچھ بنا سکتے ہیں، ہم میں

توفیق نہ ہو اور مسالا ضائع ہو جائے تو اس میں شیخ سرمد کا کوئی نقصان نہیں۔

(ایک اجنبی داخل ہوتا ہے)

اجنبی: (ملا ابوالقاسم اور ان کے شاگردوں کو دیکھ کر) ابھی خبر آئی ہے کہ شیخ سرمد کو قتل گاہ کی طرف لئے جا رہے ہیں۔ آپ لوگوں میں سے کوئی صاحب جانا چاہیں تو جلدی کریں۔

(اجنبی چلا جاتا ہے۔ خاموشی۔ ملا ابوالقاسم سامنے کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہتے ہیں، گویا قتل گاہ کا نظارہ کر رہے ہیں)

ملا ابوالقاسم: شیخ سرمد کو کوئی لئے نہیں جا رہا ہے، وہ خود جا رہے ہیں۔ سپاہی زنجیروں کو کھینچ کھینچ کر انھیں روکتے ہیں، مگر ان کا شوق زنجیروں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ انھیں اس کا دکھ نہیں ہے کہ لوگ ان کے حال پر روتے ہیں، کوئی ان کی مدد نہیں کرتا، وہ کسی کی ہمدردی کے محتاج نہیں ہیں۔ اُن کی نظر بس جلاد کی تلوار پر ہے اور اپنے قتل پر، اس سے

شوق
عزت ... بے اختیار دیکھا جا رہا ہے ... شمشیر ... باہر ... در شمشیر کا

زیادہ انھیں کوئی دے نہیں سکتا، اِس سے کم وہ لیں گے نہیں .... دیکھو، جان کا سوداگر کے وہ کیسے خوش ہیں! جلّاد نے تلوار چمکائی ہے، وہ مسکراتے ہیں، اسے بلاتے ہیں، ہنس کر کہتے ہیں، فدائے تو شوم، بیا، بیا، کہ بہر صورتے کہ می آئی ترا خوب می شناسم! لو، اب جلّاد کیا کر سکتا ہے، انھوں نے گردن جھکا دی ہے...

اب سر جدا ہو گیا...... دیکھو، چہرے پر وہی خوشی کا رنگ، وہی مسکراہٹ ہے۔ ہونٹ چپکے چپکے ہل رہے ہیں...... لا الٰہ الّا اللہ .... ہاں، ہاں، میں تو جانتا تھا کہ یہ جان دے کر ہی کلمہ پڑھیں گے، اِس سے کم کرنا اُن کی عاشقی کی شان کے خلاف تھا..... مگر ہائے ہائے، یہ کیا، اُن کا بدن تڑپ کر کھڑا ہو گیا، ایک ہاتھ نے سر کو اٹھا لیا...... (کانپتے ہوئے کھڑے ہو کر) آقا، مرشد، محبوب، یہ کیا! یہ کونسی ادا ہے؟......

(دبی اور بھرّائی ہوئی آواز میں) ایک فقیر اچانک مجمع سے نکلا ہے۔ کہتا ہے، سرمد، بس!...... اب سر الگ گر گیا ہے، دھڑ الگ۔ دونوں پر موت طاری ہے

......انا للہ و انا الیہ راجعون......

(ملا ابوالقاسم کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں، سر سینے پر گر جاتا ہے، پھر وہ آہستہ آہستہ ایک طرف کو گرنے لگتے ہیں۔ اس دوران میں اُن کے شاگردوں کی پریشانی بڑھتی رہی ہے، اب وہ انھیں سنبھال لیتے ہیں اور آرام سے لٹا دیتے ہیں، ایک پنکھا جھلنے لگتا ہے، ایک منہ پر پانی کے چھینٹے دیتا ہے، ایک پیر دابنے لگتا ہے)

لطف اللہ: ابراہیم صاحب، میں کسی حکیم کو بُلا لاؤں؟

ابراہیم بدخشانی (ذرا سوچ کر) نہیں حکیم کیا کرے گا۔

(ملا ابوالقاسم تھوڑی دیر تک بیہوشی کی سی حالت میں پڑے رہتے ہیں۔ پھر وہ چونکتے ہیں اور اٹھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ابراہیم بدخشانی جلدی سے اُن کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور ان کا سر اپنے کندھے پر رکھ لیتا ہے

ملا ابوالقاسم: (بہت کمزور آواز میں، رُک رُک کر) انا للہ و انا الیہ راجعون۔ (ہاتھوں سے اپنا منہ ڈھک لیتے ہیں

لطف اللہ ایک کٹورے میں پانی پیش کرتا ہے۔ ملا ابوالقاسم ایک ایک گھونٹ پیتے ہیں، پھر کٹورا اُسے دیدیتے ہیں

اور منہ پر ہاتھ پھیرتے ہیں)

حفظ الرحمٰن: اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟

ملّا ابو القاسم: تمہاری نظر ہر وقت مجھ پر رہتی ہے۔ یہ اچھا نہیں ہے۔ اب مجھے بھول جاؤ، اپنی توفیق پر بھروسا کرو، اور شیخ سرمد کی مثال کو اپنا رہنما بناؤ۔

قول و فعل میں ہم آہنگی

لطف اللہ: مولانا، اب ہماری آرزو یہ ہے کہ آپ ہماری توفیق کو آزمائیں، ہم میں سے جو ناقص ہوں انھیں الگ کر دیں، جو کام کے ہوں انھیں اپنی ہدایت سے سرفراز فرمائیں۔

خاموشی۔

ابراہیم بدخشانی: ہم میں سے جو فارغ ہونے والے ہیں وہ اکثر ایک دوسرے سے پوچھتے رہتے ہیں کہ انھیں خدمت کا کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہیے اسی وجہ سے میں آپ سے موقع بے موقع پوچھتا رہتا ہوں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ مگر آپ کے کسی جواب سے یہ معلوم نہ ہوا کہ آپ کی اپنی خواہش کیا ہے۔ کبھی آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنی الگ الگ طبیعتیں لے کر

آئے ہو۔ میں یہ کیسے حکم دیدوں کہ تم سب فلاں کام کرو۔ کبھی آپ نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو اپنی کسی رائے یا خواہش کا پابند کرنا نہیں چاہتا، کبھی آپ نے نصیحت فرمائی کہ حق پر اور صبر پر متفق رہو اور سمجھو کہ قرآن پاک کا وعدہ ہے کہ تم نقصان میں نہ رہو گے۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ ہم آٹھ دس نوجوان برسوں سے ساتھ پڑھ رہے ہیں، کیا اچھا ہو اگر ہماری جمعیت قائم رہے۔ آپ نے فرمایا کہ اِس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے میں نے پوچھا کہ اِس کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جمعیت کو قائم رکھنے کے لئے محبت فی اللہ سے بہتر کوئی رشتہ نہیں۔

ملّا ابوالقاسم: (ذرا دیر خاموش رہ کر) تم صرف میرا جی بہلانا چاہتے ہو...... اِس وقت میرا دوست وہ ہے جو میرے زخموں پر نمک چھڑکے، مجھے درد سے تڑپائے، میرے جسم سے جان کو کھینچ کر نکال لے، جیسے شکاری مچھلی کے حلق سے کانٹا نکالتا ہے۔

لطف اللہ: ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری نااہلی کے خیال سے آپ

کو بہت تکلیف ہوتی ہو گی۔ اسی وجہ سے اِس وقت اِس کا ذکر چھیڑا ہے۔

حفظ الرحمٰن: جی ہاں، مولانا۔ خانہ جنگی کے دوران میں ہم سب دیکھتے رہے کہ آپ کو کتنا صدمہ ہے، ایک دوسرے سے کہتے رہتے کہ ہمیں اُس روشن خیالی کا حق ادا کرنا چاہئے جو ہمیں آپ کی بدولت حاصل ہوئی ہے، مگر کسی نے کچھ کیا نہیں۔ ہم ایسی باتیں سنتے تھے جن سے دل کو بڑی تکلیف ہوتی تھی، مگر کوئی جواب نہ دیتے تھے، کبھی اس خیال سے کہ ہم چھوٹے ہیں، ہمیں بڑوں سے حجّت نہ کرنا چاہئے، کبھی اِس ڈر سے کہ ہمارا مطلب کوئی نہ سمجھے گا اور ہم خواہ مخواہ جھگڑے میں پھنس جائیں گے۔

ملا ابوالقاسم: ہاں، مگر میں جانتا ہوں کہ اگر میں کہہ دیتا تو تم سب جان دینے کو تیار ہو جاتے۔ تم حق کے لئے لڑنے کی عزت سے محروم رہے تو اِس میں اصلی قصور میرا ہے۔

ابراہیم بدخشانی: اِس زمانے میں ہمارے سامنے دو

مثالیں نہیں، ایک شیخ سرمد کی، ایک آپ کی۔ شیخ سرمد کا طریقہ آپ نے ہمکو سمجھایا، ورنہ شاید ہم بھی ان گمراہوں میں ہوتے جو انھیں صرف دارا شکوہ کا طرفدار اور بادشاہ عالم کا مخالف سمجھتے ہیں۔ آپ کا طریقہ ہماری اپنی طبیعتوں سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے، ہم اُسی کی طرف مائل رہے۔

ملا ابوالقاسم: (بیٹھ کر) لیکن اِس کا یقین رکھو کہ یہ دونوں طریقے ایک ہیں۔ میرا تم پر جو حق ہے اس سے کہیں زیادہ حق شیخ سرمد کا ہے۔ تمہارا اپنا طریقہ کوئی بھی ہو، تمہیں اُس انجام کے لئے تیار رہنا چاہیئے جو شیخ سرمد کا ہوا، اس لئے نہیں کہ تم شہادت کا شرف حاصل کرو، بلکہ اِس لئے کہ جماعت میں نئی رُوح اِسی طرح پھونکی جاتی ہے۔ ایک زندگی حق اور باطل کی جنگ کا میدان ہے، دوسری اور اِس سے کہیں اعلیٰ زندگی وہ ہے جہاں حق کو حق کی طلب ہوتی ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا .... دعا کرو کہ عمر بھر کی کوششوں کے بدلے تمھیں اس زندگی کا تصوّر نصیب ہو جائے۔

اور تم اُن طبیعتوں میں جنھیں خانہ جنگی نے بگاڑ دیا۔ ایک نئی دنیا بنانے کی آرزو پیدا کر سکو........

(گھبرا کر اُٹھتے ہیں) چلو، چلو، شیخ سرمد کے جنازہ کی نماز ادا ہونے والی ہے، اس میں شریک ہونا چاہیئے........ آج یہی اصل نماز ہے........

(پردہ)